الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

کوئی بھی چیز سورج کو جلد طلوع نہیں کرسکتی
مگر ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ ——
وہ اپنی زندگی کی صبح کو جلد پیدا کرلے

شمارہ ۵۲
مارچ ۱۹۸۱

زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

الرسالہ

مارچ ۱۹۸۱

شمارہ ۵۲

جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دھلی ۱۱۰۰۰۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجتماع

الرسالہ کا مشن آخرت کا مشن ہے۔ پچھلے پانچ سال سے یہ کام خاموشی کے ساتھ انجام دیا جارہا ہے۔ اب اس سلسلے میں ایک سہ روزہ اجتماع منعقد کرنا طے کیا گیا ہے۔ یہ کوئی عام اجتماع نہیں ہوگا بلکہ محدود اجتماع ہوگا اور خالص دینی اور تربیتی مقصد سے کیا جائے گا۔

امید ہے کہ یہ اجتماع بھوپال میں تخمیناً مئی ۱۹۸۱ کے تیسرے ہفتہ میں ہوگا۔

تفصیلات انشاء اللہ اگلے ماہ الرسالہ میں شائع کردی جائیں گی

ادارہ الرسالہ

منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ تحریر فرمائیں۔ ہر خط و کتابت کے ساتھ خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں

رات کے بعد دن

كَلَّا وَالْقَمَرِ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ لِمَنْ شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ

مدثر ۳۸-۳۲

قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ جانے لگے اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہوجائے۔ وہ دوزخ بڑی بھاری چیز ہے جو انسان کے لئے بڑا ڈراوا ہے، تم میں سے ہر اس آدمی کے لئے جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہ جانا چاہے۔ ہر آدمی اپنے کئے میں پھنسا ہوا ہے

زمین پر ہر روز ایسا ہوتا ہے کہ یہاں رات آتی ہے اور زمین گہری تاریکی میں ڈوب جاتی ہے۔ اس کے بعد دن نکلتا ہے اور ہر چیز دوبارہ سورج کی روشنی میں دکھائی دینے لگتی ہے۔ یہ واقعہ آخرت کے معاملہ کی تمثیل ہے۔ موجودہ دنیا میں آدمی کی اصل حقیقت چھپی ہوئی ہے، آخرت میں ہر آدمی کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ آج ہماری زندگی "رات" کے دور سے گزر رہی ہے، موت کے بعد ہم "دن" کے دور میں پہنچ جائیں گے۔

آج آدمی ایک قسم کے پردہ میں ہے۔ وہ دلیل پر قائم نہ ہونے کے باوجود خوش نما الفاظ بول کر لوگوں کو اپنے بارے میں غلط فہمی میں ڈالے ہوئے ہے۔ کسی کی دنیوی شہرت و مقبولیت اس کی مجرمانہ حیثیت کے لئے پردہ بن گئی ہے۔ کسی کے دولت و اقتدار نے اس کو موقع دیا ہے کہ وہ حقیقت کے اعتبار سے مفلس ہونے کے باوجود مادی رونقوں میں اپنے معنوی افلاس کو ڈھانک سکے۔ کوئی اندر سے بے دین ہے مگر کچھ رسمی اعمال کا اہتمام کرکے ظاہر کر رہا ہے کہ وہ خدا پرست اور دیندار ہے۔ لوگ ظلم اور بے انصافی میں جی رہے ہیں مگر اپنی نمائشی تدبیروں سے وہ عوام کو اس دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں کہ وہ عین حق و انصاف پر قائم ہیں۔

مگر جب آخرت کا سورج طلوع ہوگا تو وہ تاریکی کے ان تمام پردوں کو پھاڑ دے گا۔ اس وقت ہر آدمی اپنی اصلی صورت میں دکھائی دینے لگے گا۔ اس وقت صاف نظر آئے گا کہ کون شخص اندر سے جانور تھا اور بظاہر انسانی صورت میں چل رہا تھا۔ کون شخص ناحق پر تھا اگرچہ وہ خوبصورت الفاظ بول کر اپنے کو حق پرست ثابت کئے ہوئے تھا۔ کون شخص اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش میں مبتلا تھا اگرچہ زبان سے وہ اللہ کا نام لیتے ہوئے نہیں تھکتا تھا۔

اس کے مقابلہ میں کچھ اور لوگ ہوں گے جن کی حقیقت آخرت کے دن لوگوں کے سامنے آئے گی۔ وہ دیکھیں گے کہ ایک شخص جس کو انھوں نے اس کے معمولی حالات کی بنا پر غیر اہم سمجھ لیا تھا وہ اپنے اندر اہمیت کا پہاڑ لئے ہوئے تھا۔ ایک شخص جس کو دنیا کی پررونق مجلسوں میں کہیں عزت کی جگہ نہیں ملتی تھی وہ فرشتوں کی زیادہ باعزت مجالس میں اپنے صبح و شام کے اوقات گزار رہا تھا۔ ایک شخص جس کو وقت کے بڑوں نے اپنے نزدیک رد کر دیا تھا وہی وہ شخص تھا جس کو خدا کی طرف سے مقبولیت کی سند ملی ہوئی تھی۔ ایک شخص جس کو دنیا کے لوگ بے دین قرار دے کر حقارت کے خانہ میں ڈالے ہوئے تھے اس کا نام خدا کے یہاں دین داروں کی فہرست میں سب سے اوپر لکھا ہوا تھا۔

دوسرے درجہ پر

آئن سر دیوپچ تورجنیف (۸۳ - ۱۸۱۸) روس کا مشہور ناول نگار ہے۔ اس کے ایک دوست نے ایک بار اس کو لکھا: "میرے نزدیک اپنے آپ کو ہمیشہ دوم درجہ میں رکھنے پر رضامند کر لینے ہی میں زندگی کی ساری اہمیت پوشیدہ ہے" یہ بات صد فی صد درست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام اجتماعی اور قومی برائیاں اسی لئے پیدا ہوتی ہیں کہ لوگ اپنے آپ کو دوسرے کے مقابلہ دوم درجہ پر رکھنے کے لئے راضی نہیں ہوتے۔ ہر ایک اپنے آپ کو اول درجہ پر دیکھنا چاہتا ہے۔ اور جہاں ہر شخص اور ہر قوم اپنے کو اول درجہ پر رکھنا چاہے وہاں لازماً یہی ہوگا کہ باہمی ٹکراؤ ہو، اور کوئی دوسرے کا خیر خواہ نہ رہے۔

انسانیت کے اکثر فلسفے اسی بنیادی فکر کے گرد گھومتے ہیں۔ سماجی مفکرین کی کوششوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کے سامنے کچھ ایسے اعلیٰ معیار رکھ دئے جائیں جن کو آدمی ہر حال میں اپنے سے بالاتر سمجھے، وہ اپنی ذات کو مرکز بنانے کے بجائے ان معیاری قدروں کو اپنے فکر و توجہ کا مرکز بنائے۔ مگر عملاً کوئی فلسفی اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کو بھی انھوں نے اس حیثیت سے دریافت کیا کہ وہ انسان کی توجہات کا مرکز اول بنے (مثلاً امن، محبت، خیر) وہ خود انسان کی اپنی تخلیق تھی۔ انسانی ذہن کے باہر ان کا کوئی ذاتی وجود نہ تھا۔ پھر اپنے تخلیق کئے ہوئے معبود کے بارے میں کوئی شخص سنجیدہ ہوتا تو کیوں ہوتا۔

اس مسئلہ کا واحد حل خدا کا عقیدہ ہے۔ خدا ایک حقیقی وجود ہے۔ وہ ہمارا خالق اور مالک ہے — وہ آج بھی ایک زندہ ہستی کی حیثیت سے سارے عالم کو اپنے قبضہ میں لئے ہوئے ہے۔ تمام چیزیں مکمل طور پر اس کی محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ایسے خدا کو ماننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کائنات میں آدمی اپنے آپ کو "دوسرے درجہ" پر رکھ رہا ہے۔ وہ خدا کو ہر اعتبار سے اول حیثیت دے کر خود ہر اعتبار سے دوسری حیثیت پر راضی ہو گیا ہے۔ جس آدمی کے اندر یہ خیال پوری طرح بیٹھ جائے، جو اپنے سارے دل و دماغ کے ساتھ خدا کے مقابلہ میں اپنے کو دوسرے درجہ کی حیثیت دینے پر راضی ہو جائے۔ وہ عین وہی انسان بن جاتا ہے جس کو تمام دنیا کے مفکرین تلاش کر رہے ہیں مگر وہ اس کو کہیں نہیں پاتے۔

انسان کی نفسیات ایک بسیط شے ہے۔ نفسیات میں تقسیم ممکن نہیں۔ اگر کسی کی نفسیات حقیقی معنوں میں یہ بن جائے کہ اس کائنات میں وہ خدا کے مقابلہ میں "دوسرے درجہ" پر ہے تو انسانوں کے مقابلہ میں بھی اس کے اندر یہی مزاج بنے گا۔ اس حقیقتِ واقعہ کا اعتراف کہ اس کائنات میں وہ دوسرے درجہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے "اول درجہ" والا بننے کا احساس چھین لے گا۔ اس کی انانیت بے نفسی میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس کی سرکشی تواضع کی صورت اختیار کر لے گی۔ اس کی ڈھٹائی اعتراف کے روپ میں ڈھل جائے گی۔ اور یہی وہ اوصاف ہیں جو بہتر سماج بناتے ہیں۔ جہاں لوگوں کے اندر یہ مزاج آجائے وہاں نہ انفرادی جھگڑوں کا کوئی وجود ہوگا اور نہ قومی جھگڑوں کا۔

ٹوٹا ہوا پتھر

لال قلعہ کی سیر کرنے والا جب اس کی بلند و بالا عمارتوں سے گزر کر اس کے "میوزیم" میں پہنچتا ہے تو وہاں جو چیزیں اسے دیکھنے کو ملتی ہیں ان میں سے ایک وہ ٹوٹا ہوا پتھر ہے جو وسیع ہال کے ایک کونے میں رکھا ہوا ہے۔

اس پتھر پر قدیم زمانہ کے کسی "خاص محل" کا قطعہ تاریخ کندہ ہے جو مغل بادشاہ نے ۱۶۴۲ء میں بنوایا تھا۔ مگر یہ خاص محل آج کہیں موجود نہیں ہے۔ البتہ یہ پتھر دہلی کے پرانے قلعہ میں پڑا ہوا پایا گیا تھا۔ وہاں سے اٹھا کر اس کو لال قلعہ کے میوزیم میں دوسری تاریخی چیزوں کے ساتھ رکھ دیا گیا۔

اس ٹوٹے ہوئے پتھر پر جو فارسی قطعہ عمدہ کتابت کے ساتھ درج ہے اس کا ایک مصرعہ یہ ہے:

ہمیشہ باد بزیر سپہر بو قلموں

یعنی "خاص محل" تعمیر کرانے والے بادشاہ کی سلطنت آسمان کے نیچے ہمیشہ قائم رہے۔ مگر آج نہ خاص محل ہے اور نہ اس کا بنانے والا بادشاہ۔ اور نہ اس شاعر کا کہیں وجود ہے جس نے بادشاہ اور اس کے محل میں دائمی عظمت کا نشان دیکھا تھا۔ صرف ایک ٹوٹا ہوا پتھر اس بات کی یادگار کے طور پر باقی ہے کہ تین سو برس پہلے اس ملک میں ایسا کوئی واقعہ پیش آیا تھا کہ بادشاہ نے اپنی عظمت و اقتدار کے نشان کے طور پر ایک محل بنایا اور وقت کے فن کار نے منظوم الفاظ میں اس کی تصدیق کی۔ اور پھر اس لفظی تصدیق کو پتھر کی تختی پر کندہ کر دیا گیا۔

جب بھی کسی کو زمین پر اقتدار حاصل ہوتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ اس کا اقتدار ہمیشہ باقی رہے گا۔ وہ وقتی واقعہ کو مستقل واقعہ سمجھ لیتا ہے۔ مگر زمانہ نے کبھی کسی حکمراں کے اس خیال کی تائید نہیں کی۔ مگر عجیب بات ہے کہ اگلا حکمراں جو پچھلے حکمراں کے محل کے "ٹوٹے ہوئے پتھر" کو میوزیم میں رکھتا ہے وہ دوبارہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کا اقتدار ہمیشہ زمین پر باقی رہے گا۔

دنیا کا سب سے زیادہ عام واقعہ یہ ہے کہ آدمی پر موت آتی ہے۔ وہ عروج و زوال کے قانون کا شکار ہوتا ہے۔ مگر آدمی اس سب سے زیادہ عام بات سے سب سے کم نصیحت لیتا ہے۔ شاید اس سے زیادہ انوکھی بات اس زمین پر اور کوئی نہیں۔

ہر زندگی جو آج شاندار اور کامیاب دکھائی دیتی ہے وہ کل ایک "ٹوٹا ہوا پتھر" بن جاتی ہے۔ ہر پھول مرجھاتا ہے اور ہر مکان کھنڈر بن جاتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ آدمی اس سے کوئی سبق نہیں لیتا۔ ٹوٹے ہوئے پتھروں کے ہجوم میں وہ اپنے بارے میں یہی سمجھتا رہتا ہے کہ اس کا پتھر کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

بے فائدہ باتیں

مولانا اشرف علی تھانوی (۱۹۴۳ — ۱۸۶۳) کو ایک شخص نے خط لکھا اور یہ دریافت کیا کہ فلاں شرعی مسئلہ کی حکمت کیا ہے۔ مولانا تھانوی نے جواب میں لکھا: حکمت کا سوال کرنے میں کیا حکمت ہے۔ تم خدا کے فعل کی حکمت ہم سے پوچھتے ہو، ہم خود تمھارے فعل کی حکمت تم سے پوچھتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کا یہ عجیب مزاج ہوتا ہے کہ وہ غیر ضروری سوالات کرتے رہتے ہیں۔ انھیں اس کی توفیق نہیں ہوتی کہ اپنا احتساب کریں، اپنی ذمہ داریوں پر دھیان دیں۔ البتہ خارجی مسائل میں موشگافیاں نکالنے اور ان کی حکمتیں معلوم کرنے کا انھیں بہت شوق ہوتا ہے۔ یہ ذہن قطعاً غیر اسلامی ہے۔ جن لوگوں کا ذہنی ڈھانچہ اس قسم کا بن جائے وہ کبھی حق کو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کمانے اور گھر بنانے کا معاملہ ہو تو ہر آدمی اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ ہر آدمی کو سب سے زیادہ فکر یہ ہوتی ہے کہ اس کی کمائی اچھی ہو جائے اور اس کا مکان اچھا بن جائے۔ مگر دین اور آخرت کا معاملہ ہو تو ہر آدمی ایسے مسائل پر بحث کرنا پسند کرتا ہے جس کا تعلق اس کی اپنی ذات سے نہ ہو۔

ایک بزرگ جنھوں نے ایک بڑے ادارہ میں ۳۰ سال فتویٰ نویسی میں گزارے تھے، انھوں نے کہا کہ اس پوری مدت میں ہمارے پاس جو استفتار آتے رہے وہ زیادہ تر دوسروں کے بارے میں تھے۔ اپنے بارے میں بہت کم ہم سے کسی نے سوال کیا۔ فلاں کی جائداد میں میرا کتنا حصہ بنتا ہے۔ فلاں شخص جو ایسا اور ایسا ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز، وغیرہ۔ اس قسم کے سوالات تو بہت آتے رہے مگر کسی نے ہم سے یہ نہ پوچھا کہ اس کی اپنی شرعی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ وہ اپنے صاحب معاملہ کے حقوق کس طرح ادا کرے۔ وہ اپنے پڑوسیوں کے درمیان کس طرح رہے۔ وہ اختلاف اور شکایت کے موقع پر لوگوں سے کس قسم کا سلوک کرے۔ فلاں شخص جس کو وہ ستا رہا ہے اس کو ستانا اس کے لئے جائز ہے یا ناجائز۔ فلاں آدمی جس کا اس نے پیسہ دبا رکھا ہے وہ اس کو دبانا چاہئے یا نہیں دبانا چاہئے۔ فلاں شخص جس کو وہ بے عزت کر رہا ہے وہ اس کے لئے درست ہے یا نہیں۔

آدمی دوسروں میں گم رہتا ہے حالاں کہ اس کو اپنے آپ میں گم ہونا چاہئے۔ وہ خارجی مسائل میں جیتا ہے حالاں کہ اس کو اپنے اندرونی مسائل میں جینا چاہئے۔ وہ دوسروں کے دین و ایمان کو ناپتا ہے حالاں کہ اس کو وہ پیمانہ حاصل کرنا چاہئے جس میں وہ اپنے دین و ایمان کو ناپ سکے ——— باہر دوڑنے والے بد جانور کی خبر ہر ایک کو ہے مگر اپنے دماغ میں بغض اور انتقام کے جو بد جانور بسیرا لئے ہوئے ہیں اس کی خبر کسی کو نہیں۔ عبادت گاہ کے باہر کا تماشا ہر ایک کو دکھائی دے رہا ہے مگر عبادت گاہ کے اندر ہونے والا تماشا کسی کو نظر نہیں آتا۔

برداشت کا اصول

ایک ہندستانی کہاوت ہے ـــــــ "اگر کوئی کتا تمھیں کاٹے تو کیا تم بھی کتے کو کاٹو گے" اس چھوٹے سے جملہ میں زندگی کی بڑی گہری حقیقت چھپی ہوئی ہے۔ ہم ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں انسان کے ساتھ "کتے" بھی ہیں۔ اس لئے یہاں یہ واقعہ بھی ضرور پیش آئے گا کہ کبھی کوئی کتا انسان کو کاٹ لے۔ مگر اس کا جواب یہ نہیں ہے کہ آدمی خود بھی کتے کو کاٹنے لگے۔ کیونکہ یہ نہ صرف مسئلہ کو بڑھانا ہے بلکہ اپنے آپ کو کتے کی سطح پر لے جانا ہے۔ اس لئے بہترین بات یہ ہے کہ جب کسی کے ساتھ یہ حادثہ پیش آئے کہ اس کو ایک کتا کاٹ کھائے تو وہ اس کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جائے۔ اپنے زخم کا علاج کر کے اپنی زندگی کے سفر کو جاری رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام دانش مند لوگوں نے غصہ، دشمنی اور انتقام جیسی چیزوں کو برا کہا ہے اور اس کے بجائے معاف کرنے اور بھلا دینے کو زندگی کی ترقی کا راز بتایا ہے۔ یہاں چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

بدلہ لینے سے انسان اپنے دشمن جیسا ہو جاتا ہے اور بدلہ نہ لینے سے اس سے بہت زیادہ بہتر — بیکن

اپنے دشمن کے لئے اپنی بھٹی کو اتنا گرم نہ کر کہ وہ تجھ کو ہی جلا ڈالے — شیکسپیئر

دشمن کو معاف کر دینا دشمن سے انتقام لینے کا سب سے بہتر طریقہ ہے — مانس ہنس

ہم خود اپنا برا کئے بغیر دوسروں کا برا نہیں کر سکتے — ویس ہیس

برداشت کرنا زندگی کا ایک اصول ہے نہ کہ کمزوری — مہاتما گاندھی

جب دو آدمی آپس میں جھگڑیں تو سمجھ لو کہ دونوں غلطی پر ہیں — ڈچ کہاوت

کسی سے دشمنی کرنا اپنے ارتقا میں روک لگانا ہے — ونوبا بھاوے

دشمن کا لوہا بھلے ہی گرم ہو جائے مگر ہتھوڑا تو ٹھنڈا رہ کر ہی کام دے سکتا ہے — سردار پٹیل

نفسانی خواہشات کا جنون تھوڑی دیر رہتا ہے مگر اس کا پچھتاوا بہت دیر تک — شیلر

جس نے کسی دشمن کو معاف نہیں کیا وہ زندگی کی ایک عظیم خوشی سے محروم رہا — لیو میٹر

جہاں غصہ ہے سمجھ لو کہ وہاں تباہی بھی ضرور ہوگی — گوسوامی تلسی داس

اچھے مزاج کی بہترین علامت ہے برے مزاج کو برداشت کر لینا — ایمرسن

ان اقوال میں سے ایک ایک قول زندگی کی گہری حقیقت کو بیان کر رہا ہے۔ پہلی بات یہ کہ دوسروں کی طرف سے پیش آنے والی باتوں پر دشمن کو معاف کرنا کمزوری نہیں بلکہ بہادری ہے۔ یہ ایک مثبت عمل ہے۔ جو شخص ہیجانی واقعات پیش آنے کے باوجود لوگوں کو معاف کر دے وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ پر قابو رکھنے والا آدمی ہے۔ اور اپنے آپ پر قابو رکھنے سے بڑی کوئی بہادری نہیں۔

پھر یہ کہ انتقام نہ لینا خود بہت بڑا انتقام ہے، جب کسی کی طرف سے برائی پیش آنے کے باوجود آدمی اس کے

خلاف کوئی بری کارروائی نہیں کرتا تو اس کا یہ عمل بے شمار پہلوؤں سے اس کے لئے مفید بنتا ہے۔ اس کو برتر کردار پیش کرنے کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ مسئلہ کو لمبا کرنے کے بجائے وہ وہیں کا وہیں اسے ختم کر دیتا ہے۔ وہ اپنے وقت اور قوت کو منفی کارروائیوں سے بچا کر اپنی ترقی اور استحکام میں لگاتا ہے، دوسری طرف ایسا کر کے وہ اپنے مخالف کو اس کے اپنے ضمیر کے سامنے رسوا کر دیتا ہے۔ وہ اس کی دشمنانہ نفسیات کو دباتا ہے اور اس کے اندر چھپی ہوئی انسانیت کو ابھرنے کا موقع دیتا ہے۔ آپ کے ہر "دشمن" انسان کے اندر آپ کا ایک "دوست" انسان بھی چھپا ہوا ہے۔ اور دشمن کو معاف کرنا دراصل اس بات کی کوشش کرنا ہے کہ اس کے اندر چھپا ہوا آپ کا دوست انسان برآمد ہو جائے۔

ایک آدمی آپ کے ساتھ برائی کرے اور آپ بھی اس کے ساتھ برائی کرنے لگیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اور وہ دونوں برابر ہو گئے۔ آپ اس سے اچھے جب ہوتے جب کہ آپ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے۔ جب آپ نے بھی وہی کیا جو دوسرے نے آپ کے ساتھ کیا تھا تو آپ میں اور دوسرے میں فرق کیا رہا۔

زبان پر قابو

ٹامس فلر (۱۶۶۱ - ۱۷۰۸) ایک انگریز مصنف گزرا ہے۔ اس کا قول ہے "پرندے اپنے پاؤں کے باعث جال میں پھنستے ہیں اور انسان اپنی زبان کے باعث"۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سماجی زندگی میں اکثر مصیبتوں کی وجہ آدمی کی زبان ہوتی ہے۔ زبان کی بے احتیاطی گھر کے اندر اور گھر کے باہر آدمی کے لئے بے شمار مسائل پیدا کر دیتی ہے۔ آدمی اگر زبان کو قابو میں رکھے یا کم از کم ایسا کرے کہ نازک مواقع پر چپ رہے تو یقینی طور پر وہ بہت سی ناخوش گوار چیزوں سے بچ سکتا ہے۔ تمام مصلحین اور مفکرین نے زبان کے محتاط استعمال پر زور دیا ہے۔ یہاں اس سلسلے میں چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں:

بری بات پر تم بھلی بات کے ذریعہ زیادہ آسانی کے ساتھ فتح پا سکتے ہو	گوتم بدھ
تلوار کے وار کی نسبت زبان کا وار زیادہ گہرا ہوتا ہے	ہندی کہاوت
خدا سے ڈرنے والے کی زبان گونگی ہو جاتی ہے	فضیل بن عیاض
زبان ہم کو اس لئے دی گئی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے خوش گوار باتیں کریں نہ کہ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچائیں	گوتم بدھ
بیوقوف آدمی کا دل منھ میں ہوتا ہے اور عقل مند آدمی کی زبان دل میں	شیکسپیئر
خالی دماغ اور قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان ایک دوسرے کے قریبی دوست ہیں	اوڈن
پیروں کی لغزش کے بعد سنبھلا جا سکتا ہے مگر زبان کی لغزش کے بعد سنبھلنا ممکن نہیں	فرینکلن
جاہل کی زبان اس کی مالک ہوتی ہے اور عقل مند کی زبان اس کی خادم	عربی کہاوت
دشمن بھی اچھی بات کہے تو اس کو قبول کرنے میں تامل نہ کرو	سوامی شبدانند
جو شخص ناپسندیدہ بات کہے گا وہ ناپسندیدہ بات سنے گا	عربی کہاوت

بات کو دیر تک سوچو پھر اس کو منھ سے نکالو، تم کبھی شرمندہ نہ ہوگے — افلاطون

اگر آدمی کے پاس اچھے بول ہوں تو وہ اچھی صورت نہ ہونے کے باوجود لوگوں کو اچھا معلوم ہوگا سویٹ نارڈین

بولنے کی طاقت جو انسان کو حاصل ہے وہ بڑی انوکھی طاقت ہے۔ ساری معلوم کائنات میں کسی کو یہ طاقت حاصل نہیں دو گونگے آدمی اگر باہم ملیں تو ان کا ملنا کس قدر بے معنی ہوتا ہے اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہے جس نے کبھی دو گونگوں کو ملتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر جب دو بولنے والے آدمی ملتے ہیں تو ان کا ملنا حد درجہ بامعنی بن جاتا ہے۔ اس وقت زبان ہی وہ چیز ہوتی ہے جس سے دونوں اپنے آپ کو ایک دوسرے سے قریب کرتے ہیں۔ دو ملنے والے جب سنجیدگی اور مٹھاس کے ساتھ باتیں کریں تو اس سے زیادہ حسین منظر اس زمین پر کوئی نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جب دو آدمی تلخ کلامی پر اتر آئیں تو وہ اتنا زیادہ برا منظر ہوتا ہے کہ خود بولنے والے اگر اپنی اس وقت کی تصویر دیکھ لیں تو اپنی اس حرکت پر نفرت کرنے لگیں۔

نادان آدمی خیال کرتا ہے کہ بھلی بات بولنے پر لوگ اس کو کمزور سمجھیں گے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی بری بات سن کر اپنے کو تھامتا ہے اور اس کے جواب میں اپنی زبان سے بھلی بات نکالتا ہے تو وہ اپنی غیر معمولی طاقت کا ثبوت دیتا ہے، وہ اپنے اس پُر اعتماد مظاہرہ سے اپنے دشمن کو مرعوب کر لیتا ہے ایسے ہر واقعہ کے بعد دشمن کا دل مجبور ہوتا ہے کہ اپنے کو چھوٹا اور اپنے حریف کو بڑا سمجھے۔ بھلی بات دشمن کے مقابلہ میں ایک قیمتی ہتھیار ہے، ایسا ہتھیار جو آدمی کے پاس ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اگرچہ بہت کم لوگ ہیں جو اس ہتھیار کو جانیں اور اس کو استعمال کریں۔

جو شخص مخالف کی بری بات سے برا اثر نہیں لیتا وہ اپنے اس مزاج سے ایک بہت بڑا اثاثہ اپنے لئے حاصل کرتا ہے، یہ کہ وہ مخالف کی بات کو بھی ٹھنڈے ذہن کے ساتھ سن سکے اور اگر اس کے اندر کوئی صداقت ہے تو اس کو پالے۔ تاریخ کی اکثر نادانیاں صرف اس بات کا نتیجہ تھیں کہ آدمی نے اپنے مخالف کی بات کو کھلے ذہن سے نہیں سنا۔ اس لحاظ سے دیکھئے تو بری بات سے اثر نہ لینا بجائے خود حکمت کا ایک خزانہ ہے۔ اور آدمی کی بہترین عقل مندی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مفت کے خزانے سے محروم نہ کرے۔

وقت کی اہمیت

نپولین (۱۸۲۱ — ۱۷۶۹) دنیا کا ایک مشہور ترین فاتح ہے۔ اس نے بے شمار جنگی کامیابیاں حاصل کیں۔ قدرتی آفت کے سوا کوئی اس کو زیر نہ کر سکا۔ نپولین نے اپنی کامیابیوں کا راز ان الفاظ میں بیان کیا۔ "میں اپنے حریفوں کے اوپر اس لئے غالب آتا ہوں کہ وہ لمحات جن کو لوگ کچھ نہیں سمجھتے، میں ان کی اہمیت کو پالیتا ہوں اور ان کو فوراً استعمال کرتا ہوں"۔ یہ ایک بے حد اہم بات ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بڑے بڑے مواقع اکثر چھوٹے لمحات میں آتے ہیں۔ ان لمحات کو جاننا اور ان کے مطابق فوری اقدام کرنا ہی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔ ان نازک لمحات میں معمولی کوشش سے وہ کام ہو جاتا ہے جو بعد کو بڑی کوششوں سے بھی نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں یہاں چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں

میں نے وقت کو برباد کیا تھا، اب وقت مجھے برباد کر رہا ہے — شیکسپیئر

ایک موقع تمہارا دروازہ صرف ایک بار کھٹکھٹاتا ہے — کہاوت

انسان کے لئے زندگی میں کامیابی کا راز ہر آنے والے موقع کے لئے تیار رہنا ہے — ڈزرائیلی

وقت کی ٹرین اس کے لئے تیزی سے بھاگ رہی ہے جو کنارے کھڑا ہوا اس کا تماشا دیکھ رہا ہو۔ مگر وقت کی ٹرین اس کے لئے ٹھہر جاتی ہے جو برابر کی پٹری پر خود بھی اسی کی رفتار سے دوڑنا شروع کر دے — آئن سٹائن

وقت ایسی نعمت ہے جس کا دوسرا کوئی بدل نہیں — بابا فرید

جس کام کو تم آج کر سکتے ہو اسے کبھی کل پر نہ ٹالو کیونکہ کل کبھی نہیں آتا۔ — چیسٹر فیلڈ

تم ہر چیز کو قیمت دے کر خرید سکتے ہو مگر وقت ہی ایک ایسا سودا ہے جس کی کوئی قیمت نہیں — خان خاناں

اگر تم کو زندگی عزیز ہے تو وقت کو ضائع نہ کرو۔ کیونکہ زندگی وقت ہی کے لمحات کا دوسرا نام ہے۔ — فرینکلن

کسی کام کو شروع کرنے کا ابھی اسی وقت سے بہتر کوئی وقت نہیں — انگریزی کہاوت

چھوٹے موقع کا صحیح استعمال اس کو بڑا بنا دیتا ہے اور بڑے موقع کا غلط استعمال اس کو چھوٹا کر دیتا ہے — سویٹ مارڈین

نہ ہر لغزش واپس لی جا سکتی ہے اور نہ ہر موقع دوبارہ ہاتھ آتا ہے — عربی کہاوت

آدمی کے پاس سب سے بڑی دولت وقت اور موقع ہے، وہ وقت نہیں جو کل ملنے والا ہے بلکہ وہ وقت جو ابھی ملا ہوا ہے۔ جو شخص وقت کے انتظار میں ہے وہ تیز بھاگتی ہوئی گاڑی کے پیچھے سست رفتاری سے دوڑ رہا ہے، ظاہر ہے کہ وہ اس کو کبھی نہیں پکڑ سکے گا۔ جس چیز کو کامیابی کہا جاتا ہے وہ حقیقۃً اس کا نام ہے کہ آپ وقت کو استعمال کر لیں اور ناکامی یہ ہے کہ آپ وقت کو صحیح طور پر استعمال نہ کر سکیں۔ وقت ہر ایک کے لئے یکساں طور پر آتا ہے مگر وقت کو پانے والا صرف وہ ہے جس نے وقت سے فائدہ اٹھایا ہو۔

وقت کی مثال برف کی مانند ہے۔ دو آدمی برف کی ایک ایک سل اپنے گھر میں لاتے ہیں۔ بظاہر دونوں کا معاملہ یکساں ہے۔ مگر برف کا مالک صرف وہ ہے جو برف کو فوراً کام میں لائے۔ جو برف کو کام میں نہ لا سکے وہ برف کو پانے کے باوجود برف کا مالک نہیں۔ کیونکہ بہت جلد وہ دیکھے گا کہ برف پگھل کر ختم ہو چکا ہے اور اب اس کے پاس برف کے نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔

وقت کبھی ہمارے پیچھے نہیں دوڑے گا۔ بلکہ خود ہمیں وقت کے پیچھے دوڑنا ہوگا۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے وقت ہی کے درمیان کرنا ہے۔ وقت کو کھو کر ہم کوئی اور موقع نہیں پا سکتے جہاں ہم وہ کر سکیں جو ہم کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے مقصد کے لئے بھرپور حرکت میں آنے کا وقت وہی ہے جو ابھی فوری طور پر آپ کو حاصل ہے۔ اگر آپ نے ابھی وقت کو نہیں پکڑا تو وہ آپ سے اتنی دور جا چکا ہوگا کہ آپ کبھی اس کو پکڑ نہ سکیں گے۔

نوٹ: یہ تقریر ۲۔۴ دسمبر ۱۹۸۰ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کی گئی۔

فرشتہ کا ٹیلیفون

وہ ایک ڈاکٹر تھا۔ زندگی بہت مصروف تھی۔ دولت کی بارش اور پیشہ کی سرگرمیوں میں دین کا کوئی خانہ نہ تھا۔ اس کو یہ موقع ہی نہ تھا کہ وہ دینی کتابیں پڑھے یا دینی موضوعات پر کچھ سوچ سکے۔ اس کے پاس آنے والے سب وہی ہوتے تھے جو اس کے پیشہ کے تقاضوں کے اعتبار سے اس سے ملنے کے لئے آتے تھے۔ البتہ ایک شخص کبھی کبھی اس کے یہاں آتا تھا اور دین کے بارے میں اس سے بات کرتا تھا۔ مگر یہ گفتگو ہمیشہ ناتمام ختم ہو جاتی تھی۔ آنے والے آدمی کو تھوڑی دیر کے بعد محسوس ہوتا کہ ڈاکٹر اس قسم کی گفتگو کو غیر اہم سمجھ کر اس سے بے توجہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ وہ آدمی خود ہی اپنی گفتگو کو ختم کر کے تھوڑی دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرتا اور اس کے بعد چلا جاتا۔

ایک روز ڈاکٹر اپنے گھر کے کمرہ میں اکیلا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ "ہلو" کے تبادلہ کے بعد دوسری طرف سے آواز سنائی دی "میں جبریل بول رہا ہوں۔ خدا تم کو بلانا چاہتا ہے۔۔۔" آواز عجیب بھیانک تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی غیر انسانی مخلوق انسانی زبان میں بول رہی ہے۔ ڈاکٹر پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور رسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ کچھ دیر بعد جب اس کے ہوش و حواس درست ہوئے تو اس نے سوچنا شروع کیا کہ یہ کیسی آواز تھی جو ٹیلیفون پر سنائی دی کہ "میں جبریل بول رہا ہوں۔ خدا تم کو بلانا چاہتا ہے"۔ سنی ہوئی آواز اس کو لفظ لفظ یاد تھی۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے اور اس کے جواب میں اس کو کیا کرنا چاہیے۔ اس نے اپنے تمام دوستوں کو ٹیلی فون کر ڈالا اور ہر ایک سے پوچھتا رہا۔ مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس نے ڈاکٹر کو اس قسم کا ٹیلی فون کیا ہے۔

ڈاکٹر کئی روز تک اسی سوچ میں پڑا رہا۔ ٹیلی فون پر سنی ہوئی بھیانک آواز کسی طرح اس کی یاد سے نہیں نکلتی تھی۔ آخر ایک روز مذکورہ آدمی آیا۔ ڈاکٹر نے اس سے اپنے واقعہ کا ذکر کیا۔ آدمی ایک منٹ خاموش رہا اور اس کے بعد بولا: یہ تمہارے نام فرشتہ کا پیغام تھا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو حج پر جانا چاہیے۔ ڈاکٹر کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اس نے فوراً تیاری شروع کر دی۔ اور پہلا موقع آتے ہی حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ ڈاکٹر کا حج اس کی زندگی کا بڑا تاریخی واقعہ تھا۔ حج کے دوران اس پر عجیب کیفیت طاری رہی۔ اس کو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ رب کعبہ کے مخصوص بلاوے پر دیار حرم میں حاضر ہوا ہے۔ واپس آنے کے بعد چہرہ پر داڑھی اور پنج وقتہ نمازوں کے اہتمام نے بتایا کہ ڈاکٹر اب نیا انسان بن چکا ہے۔

ڈاکٹر کی زندگی میں یہ انقلاب اس لئے آیا کہ "جبریل" کی آواز سن کر اس نے سمجھا کہ براہ راست آسمان سے اس کو پکارا جا رہا ہے۔ جب کہ مذکورہ شخص کی تبلیغ اس کو محض ایک انسان کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ تاہم اگر آدمی کی فطرت بیدار ہو جائے تو اس کو "ٹیلی فون" پر جبریل کی آواز سننے کی ضرورت نہیں۔ اس کو نظر آئے گا کہ ستاروں سے لے کر درختوں تک ہر چیز خاموش زبان میں وہی پیغام دے رہی ہے جس کو ڈاکٹر نے "جبریل" کی طرف سے ٹیلی فون کی زبان میں سنا۔

خدا کی رحمت

بارش کے موسم میں بارش نہ ہو تو کسان پریشان ہو جاتے ہیں کیوں کہ بارش ہی کے اوپر کھیتی کا دار و مدار ہے۔ بارش سے کھیتوں میں فصل اگتی ہے۔ سال بھر کی روزی حاصل ہوتی ہے۔ بارش نہ ہو تو کسانوں کے کھیت ویران ہو جائیں، ہم کو اپنی خوراک کے لئے غلّہ نہ ملے۔ اسی طرح ایک اور بارش ہے۔ یہ اللہ کا وہ فیضان ہے جس سے نیک عمل کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ جس سے ہمارے ایمان کی زمین پر اسلامی کردار کی کھیتیاں اگتی ہیں۔ اللہ کی توفیق نہ ملے تو ہمارے ایمان کی زمین سوکھی پڑی رہ جائے اور اس سے نیک اعمال کی وہ فصل نہ اگے جس سے کسی کے اوپر جنت کے دروازے کھلتے ہیں۔ توفیق کی اہمیت اسلامی کردار پیدا کرنے کے لئے ویسی ہی ہے جیسے بارش کی اہمیت کھیتوں سے فصل اگانے کے لئے۔

جب بادلوں والی بارش رکتی ہے تو کسان بے حد پریشان ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح عمل کی توفیق والی بارش بھی رکتی ہے۔ اور مسلمان کو اس وقت بے چین ہو جانا چاہئے جب وہ دیکھے کہ اس کے اوپر توفیق الٰہی کی بارش رک گئی ہے۔ اس کے اندر وہ جذبات نہیں امنڈ رہے ہیں جو اللہ کے پسندیدہ اعمال کا محرک بنتے ہیں۔

جب آپ کو ایک اچھی نماز پڑھنے کی سعادت ملتی ہے تو درحقیقت وہ رحمت الٰہی کی بارش کی ایک بوند ہوتی ہے جو آپ کے اوپر ٹپکتی ہے۔ جب آپ کو خالص اللہ کی خاطر روزہ رکھنا اور حج کرنا نصیب ہوتا ہے، جب آپ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی خوشی حاصل کرتے ہیں تو یہ سب بھی اللہ کی اسی بارش کے چھینٹے ہوتے ہیں جو آپ کو اللہ کی توفیق سے پہنچتے ہیں۔ اسی طرح جب اللہ کی یاد سے آپ کا دل بھر جاتا ہے۔ جب آپ کی آنکھیں اللہ کی راہ میں رونے کی توفیق پاتی ہیں۔ جب آپ کی زندگی میں درد کے وہ لمحات آتے ہیں جو آپ کو اللہ کے خوف و محبت سے تڑپا دینے والے ہوں تو یہ سب بھی اسی ان دیکھی بارش کا فیضان ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کے اوپر برستا ہے۔ جب آپ اپنے بھائی کی کوئی خدمت کرتے ہیں۔ جب دوسرے کے دکھ سے آپ کو دکھ اور دوسرے کے سکھ سے آپ کو سکھ پہنچتا ہے۔ جب آپ دل کی سچائی کے ساتھ ان کاموں میں سے کوئی کام کرتے ہیں جن کو بندوں کے حقوق کی ادائگی کا نام دیا گیا ہے تو یہ سب اسی خدائی بارش کے چھینٹے ہوتے ہیں جو آپ کے اوپر اس کی رحمت خاص سے برستے ہیں۔

ہم سب مسلمان ہیں اور یہ خوشی کی بات ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ مگر یاد رکھئے مسلمان ہونا یا مسلمان گھر میں پیدا ہونا صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کو ایمان و اسلام کی زمین حاصل ہے۔ مگر ہر کسان جانتا ہے کہ صرف زمین کا مالک ہونا کافی

نہیں۔ بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس زمین کو پانی کی سہولتیں حاصل ہوں۔ صحرا میں ہر طرف زمین ہی زمین ہوتی ہے مگر وہ کھیتی کے لئے بے کار ہے۔ وہاں ہری بھری فصل کے بجائے ہر وقت ریت اڑتی رہتی ہے۔ کیوں۔ اس لئے کہ وہاں پانی کا ایک قطرہ نہیں، ایک کسان صرف اس بات کو کافی نہیں سمجھتا کہ اس کے پاس کھیت موجود ہے۔ خواہ یہ کھیت ہزاروں ایکڑ سے بھی زیادہ کیوں نہ ہو۔ کھیت سے فصل اگانے کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی بارش اسے پہنچے۔ جب کھیت بارش سے سیراب ہوتا ہے اسی وقت وہ لہلہاتی ہوئی فصل کی صورت اختیار کرتا ہے۔

اسی طرح ہمارے لئے صرف یہ بات کافی نہیں کہ ہم ایمان و اسلام کے مالک ہیں۔ اس کے ساتھ لازمی طور پر یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری اسلامی زمین پر خدا کی توفیق کی بارش بھی ہو رہی ہو۔

ہمارے دل میں اللہ سے خوف و محبت کی وہ بوندیں ٹپکیں جو آدمی کے اندر ربانی ہل چل پیدا کرتی ہیں اور اس کو نیک کام کرنے پر ابھارتی ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ خدا کی اس بارش میں اس کو حصہ مل رہا ہے یا نہیں۔ اس کے اوپر رحمتوں کا وہ فیضان برس رہا ہے یا نہیں جس سے خدا کے پسندیدہ اعمال کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس روحانی بارش کی بوندیں آپ کے اوپر ٹپک رہی ہوں تو خدا کا شکر ادا کیجئے۔ کیوں کہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے جو اس دنیا میں کسی کو ملتی ہے۔ اور اگر اس بارش کے چھینٹے آپ کی ہستی کو نم نہ کر رہے ہوں تو آپ کو اس سے زیادہ بے چین ہو جانا چاہئے جتنا کوئی کسان اس وقت بے چین ہوتا ہے جب کہ بادل اس کی زمین پر بارش برسانے سے رک گئے ہوں۔ کیوں کہ بادلوں والی بارش کسی کو صرف ایک سال کے غلّہ سے محروم کرتی ہے۔ جب کہ توفیق عمل کی بارش کا رکنا آدمی کو اس سخت ترین اندیشہ میں مبتلا کر دیتا ہے کہ وہ آخرت کی ابدی زندگی میں گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائے۔

کوئی آدمی نماز روزہ اور اس طرح کے دوسرے اعمال کر رہا ہے۔ مگر ان کی حیثیت اس کے لئے ایسی ہے جیسے کچھ بے روح رسم ہو جس کو وقت وقت پر ادا کر لیا جاتا ہے، تب بھی اس کو مطمئن نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہی عمل اسلامی عمل ہے جس کے ساتھ آدمی کے دل کی دھڑکنیں شامل ہو جائیں، جس کے اندر اس کی روح کی بیتابیاں گھل مل گئی ہوں۔ جو عمل آدمی کی زندگی کا محض ایک خشک ضمیمہ ہے وہ محض ایک بے فائدہ رسم ہے جس کی کوئی قیمت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں۔

ہم میں سے ہر شخص کو اس اعتبار سے اپنا جائزہ لینا چاہئے۔ اگر بارش برسانے والے بادل رک جائیں تو ہم استسقا کی نماز پڑھتے ہیں۔ لوگ پانی حاصل کرنے کے دوسرے طریقوں کی طرف دوڑنا شروع کرتے ہیں۔ اسی

طرح توفیق عمل کی بارش رکنے پر آپ کو چوکنا ہو جانا چاہئے۔ آپ کو خدا سے دعا اور التجا کرنا چاہئے کہ وہ آپ کو اپنی مدد سے محروم نہ کرے۔

اگر آپ کو زندہ عبادت کی توفیق نہ مل رہی ہو۔ اگر خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا شوق آپ سے رخصت ہو گیا ہو۔ اگر دوسروں کا بھلا دیکھ کر آپ خوش نہ ہوتے ہوں۔ اگر اپنے بھائیوں کی خدمت کرنے کا جذبہ آپ کے اندر نہ ابھرتا ہو۔ اگر آپ اپنے فائدہ کے پیچھے دوسرے کا نقصان بھول جاتے ہوں۔ اگر اپنے صاحب معاملہ کے ساتھ انصاف کرنا آپ کو گوارا نہ ہوتا ہو۔ کسی سے شکایت پیدا ہونے کے بعد اگر آپ اس کو معاف کرنے پر راضی نہ ہوتے ہوں۔ اگر اس طرح کی باتیں ہوں تو سمجھ لیجئے کہ آپ کے ایمان کی زمین سوکھی پڑی ہوئی ہے۔ آپ کے اوپر اللہ اپنی توفیق کی بارش نہیں برسا رہا ہے۔ خدا کی رحمتوں کے چھینٹے سے محرومی نے آپ کے اسلام کے پودے کو خشک کر دیا ہے۔

اسی طرح آپ کو اس وقت بھی بے چین ہو جانا چاہئے جب کہ آپ اپنا یہ حال پائیں کہ آپ کے لئے انھیں دینی کاموں میں رغبت ہو جن میں آپ کی دنیا کھنڈت نہیں ہوتی۔ جس میں آپ کے مفادات پوری طرح محفوظ رہتے ہیں۔ جس میں سستی قیمتوں پر جنت کے دروازے کھلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جس میں کچھ کئے بغیر کرنے کا تمغہ مل جاتا ہے۔ جس میں الفاظ بول کر عمل کا کریڈٹ حاصل ہوتا ہے۔ اس قسم کے "دین" کی طرف لپکنا اور نفس کو دبانے اور جذبات کی قربانی دینے والے دین سے بے پروا ہونا دین داری کی حالت نہیں بلکہ غفلت کی حالت ہے۔

اگر آپ کا یہ حال ہو کہ آپ انھیں دینی کاموں کی طرف دوڑتے ہوں جن میں دنیوی نفع ملنے والا ہو۔ جن میں شہرت اور عزت کی چاشنی ہو۔ جن میں آپ کی عوامی تصویر میں اضافہ ہوتا ہو۔ جن میں آپ اپنے کو نمایاں کرنے کے مواقع پا رہے ہوں۔ جن میں عمل کی قیمت دنیوی صورت میں وصول ہوتی ہو۔ جن میں دینی کام کی قیمت لیڈری اور پیشوائی کی صورت میں مل رہی ہو۔ آپ دنیوی پہلو رکھنے والے دینی کام میں تو خوب تیزی دکھائیں اور جس دینی کام میں کوئی دنیوی چاشنی نہ ہو اس سے بے رغبت رہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ خدا کی توفیق میں حصہ پانے سے محروم ہیں۔ کیونکہ دولت اور عزت والے دین کی طرف دوڑنا دین کے نام پر اپنے نفس کی طرف دوڑنا ہے نہ کہ حقیقۃً خدا کے دین کی طرف دوڑنا۔

ایسی تمام حالتوں میں آپ کے لئے مطمئن ہونے کا موقع نہیں۔ آپ کو بے تاب ہو کر خدا کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ آپ کو خدا کی بارش رحمت کو اپنی طرف مائل کرنا چاہئے۔ قبل اس کے کہ آپ کا سوکھا ہوا پودا خدا کے باغ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔

نوٹ: یہ تقریر ۱۲ جولائی ۱۹۶۸ کو اعظم گڑھ کے ایک اجتماع میں کی گئی

خدائی اہتمام

یہود کو خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ تورات کی حفاظت کریں (بما استحفظوا من کتٰب اللہ، المائدہ) اس کے برعکس قرآن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ: ہم نے قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (وانالہ لحٰفظون، الحجر) اس سے معلوم ہوا کہ پچھلی آسمانی کتابوں کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری ان کی قوموں پر ڈالی گئی تھی، جب کہ قرآن کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ پچھلی آسمانی کتابیں بھی اسی طرح خدا کی کتاب تھیں جس طرح قرآن خدا کی کتاب ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ پچھلی آسمانی کتابوں کے حامل ان کتابوں کی حفاظت کے بارے میں اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کر سکے۔ یہ کتابیں اپنی اصلی صورت میں باقی نہ رہیں۔ مگر قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خدا نے خود لی تھی اس لئے قرآن خدا کی خصوصی مدد سے مکمل طور پر محفوظ رہا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آسمان سے خدا کے فرشتے اتریں گے اور وہ قرآن کو اپنے سایہ میں لئے رہیں گے۔ موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ یہاں اخروی حقیقتوں کو غیب میں رکھا گیا ہے۔ اس لئے یہاں کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ فرشتے سامنے آکر قرآن کی حفاظت کرنے لگیں۔ موجودہ دنیا میں اس قسم کا کام ہمیشہ معمول کے حالات میں کیا جاتا ہے نہ کہ غیر معمولی حالات میں۔ یہاں قرآن کی حفاظت کا کام تاریخی اسباب اور چلتے پھرتے انسانوں کے ذریعہ لیا جائے گا تاکہ غیب کا پردہ باقی رہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ خدا نے اپنے وعدہ کو پوری تاریخ میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا ہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے مختلف قوموں سے مدد لی ہے۔ نیز اس کام میں مسلمانوں کو بھی استعمال کیا گیا ہے اور غیر مسلموں کو بھی۔

پچھلے انبیاء کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ان کو بہت کم ایسے ساتھی ملے جو ان کے بعد ان کی کتاب کی حفاظت کی مضبوط ضمانت بن سکتے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ نمایاں طور پر دوسرے انبیاء سے مختلف ہے۔ وفات سے تقریباً ڈھائی ماہ پہلے آپ نے حج کیا جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر عرفات کے میدان میں ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان موجود تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر وقت تک آپ کے اوپر ایمان لانے والے مردوں اور عورتوں کی کل تعداد کم از کم پانچ لاکھ ہو چکی ہوگی۔ یہ تعداد قدیم انسانی آبادی کے لحاظ سے بہت غیر معمولی ہے۔ آپ کے بعد یہ تعداد بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ ملک کے ملک مسلمان ہوتے چلے گئے۔ اس طرح قرآن کی حفاظت کی پشت پر اتنا بڑا انسانی گروہ اکٹھا کر دیا گیا جو اس سے پہلے کسی آسمانی کتاب کی حفاظت کے لئے اکٹھا نہیں ہوا تھا۔

اس کے بعد دوسرا مددگار واقعہ یہ ظہور میں آیا کہ عرب میں اور عرب کے باہر مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ

شروع ہوا۔ یہ سلسلہ یہاں تک پھیلا کہ قدیم آباد دنیا کے بیشتر حصہ پر مسلمان قابض ہو گئے اور انھوں نے دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے مضبوط سلطنت قائم کی۔ یہ سلطنت کسی طاقت سے مغلوب ہوئے بغیر مسلسل قائم رہی اور قرآن کی حفاظت کرتی رہی۔ یہ سلسلہ ایک ہزار سال تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ زمانہ پریس کے دور میں پہنچ گیا اور قرآن کے ضائع ہونے کا امکان سرے سے ختم ہو گیا۔

پریس کے دور میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ کسی کتاب کا ایک نسخہ لکھا جائے اور اس کو چھاپ کر ایک ہی قسم کے کروروں نسخے تیار کر لئے جائیں۔ مگر پہلے ایسا ممکن نہ تھا۔ قدیم زمانہ میں کتاب کا ہر نسخہ الگ الگ ہاتھ سے لکھا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے اکثر ایک نسخہ اور دوسرے نسخہ میں کچھ نہ کچھ فرق ہو جاتا تھا۔ چنانچہ قدیم کتابوں میں سے جو کتاب بھی آج دنیا میں پائی جاتی ہے اس کے مختلف قلمی نسخوں میں سے کوئی بھی دو نسخہ ایسا نہیں جو فرق سے خالی ہو۔ یہ صرف قرآن ہے جس کے لاکھوں نسخے قدیم زمانہ میں ہاتھ سے لکھ کر تیار کئے گئے۔ ان کی ایک بڑی تعداد آج بھی میوزیم اور کتب خانوں میں موجود ہے۔ مگر ایک قلمی نسخہ اور دوسرے قلمی نسخہ میں کوئی ادنیٰ فرق نہیں پایا جاتا۔ یہ خدا کی خصوصی مدد تھی جس نے قرآن کے بارے میں مسلمانوں کو اتنا زیادہ مستعد اور حساس بنا دیا

اسی کے ساتھ خدا نے یہ انتظام کیا کہ قرآن کے حفظ (رٹ کر اس کے متن کو یاد کرنے) کا نادر طریقہ شروع ہوا جو اس سے پہلے معلوم تاریخ میں کبھی کسی کتاب کے لئے نہیں کیا گیا تھا۔ ہزاروں لاکھوں لوگوں کے دل میں یہ جذبہ ابھر آیا کہ وہ قرآن کے متن کو شروع سے آخر تک یاد کریں اور یاد رکھیں۔ اس طرح کے افراد تاریخ کے ہر دور میں ہزاروں کی تعداد میں پیدا ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ قرآن کے زمانہ سے شروع ہو کر آج تک جاری ہے۔ معلوم تاریخ کے مطابق دنیا میں کوئی بھی دوسری کتاب نہیں ہے جس کے ماننے والوں نے اس طرح اس کو یاد کرنے کا اہتمام کیا ہو جس طرح قرآن کے ماننے والے ہر دور میں کرتے رہے ہیں۔ قرآن کو یاد کرنے کے رواج نے اس کی حفاظت کے اس انوکھے انتظام کو ممکن بنا دیا جس کو ایک فرانسیسی مستشرق نے دہرا جانچ (Double Checking) کا طریقہ کہا ہے۔ یعنی ایک لکھے ہوئے نسخہ کو دوسرے لکھے ہوئے نسخہ سے ملانا اور اسی کے ساتھ حافظہ کی مدد سے اس کی صحت کو جانچتے رہنا۔

ڈیڑھ ہزار برس کی اسلامی تاریخ میں یہ جو کچھ ہوا خدا کی طرف سے ہوا۔ امتحانی حالات کو باقی رکھنے کے لئے اگرچہ اس کو اسباب کے پردہ میں انجام دیا گیا ہے۔ تاہم جب قیامت آئے گی اور تمام حقیقتیں برہنہ کر دی جائیں گی اس وقت لوگ دیکھیں گے کہ عرب کے اسلامی انقلاب سے لے کر دور پریس کے نئے حفاظتی طریقوں تک سارے کام خدا خود اپنے فرشتوں کی معرفت کرا رہا تھا اگرچہ ظاہری طور پر وہ کچھ ہاتھوں کو اس کا ذریعہ بناتا رہا۔

قرآن کے بارے میں خدا کے اس خصوصی انتظام کا ایک اور اہم پہلو ہے جس کا تعلق مخصوص طور پر مسلمانوں

سے ہے۔ قرآن کے الفاظ کی حفاظت جو مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہی ہے یہی دراصل وہ چیز نہیں ہے جو قرآن کے سلسلے میں اللہ کو ہم سے مطلوب ہو۔ یہ کام تو خود خدا کے براہ راست اہتمام میں ہو رہا ہے، پھر ہمارا اس میں کیا کمال۔ جو لوگ اس حفاظتی کام میں مشغول ہیں وہ اپنے اخلاص کے بقدر اپنا معاوضہ پائیں گے۔ مگر یہی امت مسلمہ کی اصل ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ کام خواہ کتنے ہی اخلاص کے ساتھ اور کتنے ہی بڑے پیمانہ پر کیا جائے، اس سے ہماری اصل ذمہ داری ساقط نہیں ہو سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ پچھلی قوموں کا امتحان حفاظت متن میں تھا، امت مسلمہ کا امتحان حفاظتِ معانی میں ہے۔ پچھلے زمانوں میں جو لوگ کتاب خداوندی کے حامل بنائے گئے ان کی آزمائش معانی کی حفاظت کے ساتھ یکساں طور پر متن کی حفاظت میں بھی تھی۔ مگر مسلمانوں کی آزمائش سب سے بڑھ کر معانی کی حفاظت میں ہے۔ مسلمانوں کو قرآن کے سلسلے میں جس چیز کا ثبوت دینا ہے وہ یہ کہ وہ قرآن کی تشریح و تعبیر میں فرق نہ کریں۔ قرآن میں جس چیز کو جس درجہ میں رکھا گیا ہے اس کو اسی درجہ میں رکھیں۔ وہ قرآن کے نشانہ میں کوئی تفسیری تبدیلی نہ کریں۔ قرآن کو دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہوئے وہ اسی اصل بات کو پیش کریں جو خود قرآن میں عربی زبان میں اتاری گئی ہے نہ کہ اپنی خود ساختہ تشریحات کے ذریعہ ایک نیا دین بنائیں اور اس کو قرآن کے نام پر لوگوں کے سامنے پیش کرنے لگیں۔

مسلمانوں کا قرآن کا حامل بننے میں ناکام ہونا یہ ہے کہ وہ قرآن کو برکت اور ثواب کی کتاب بنا دیں اور اپنے دین کی گاڑی عملاً دوسری دوسری بنیادوں پر چلانے لگیں۔ کوئی مسائل کے نام پر سرگرمی دکھانے لگے اور کوئی فضائل کے نام پر۔ کوئی بزرگوں کے ملفوظات اور کہانیوں کو دین کی بنیاد بنالے اور کوئی جلسوں اور تقریروں کی دھوم مچانے کو۔ کوئی قرآن کو اپنی سیاسی تحریک کا ضمیمہ بنالے اور کوئی اپنے قومی ہنگاموں کا۔ قرآن کے نام پر یہ تمام سرگرمیاں قرآن کے معانی میں تحریف کا درجہ رکھتی ہیں۔ مسلمان اگر قرآن کے معانی کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کر رہے ہوں تو وہ صرف اس بنا پر خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے کہ قرآن کے الفاظ کی حفاظت اور تکرار میں انھوں نے کمی نہیں کی تھی۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ کتاب الٰہی کی حامل دوسری قوموں کو جو سزا متن کتاب کی تبدیلی پر دی گئی وہ سزا مسلمانوں کو معانی کتاب کی تبدیلی پر ملے گی۔ مسلمانوں کا اصل امتحان جہاں ہو رہا ہے وہ یہی ہے۔ اگر وہ کتاب اللہ کے معانی کو اپنی خود ساختہ تعبیرات سے بدل ڈالیں تو وہ صرف اس لئے خدا کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے کہ انھوں نے کتاب کے متن میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ کیونکہ امتحان آدمی کے اپنے دائرہ اختیار میں ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کو جہاں اختیار حاصل ہے وہ قرآن کے معانی میں تبدیلی ہے نہ کہ قرآن کے متن میں تبدیلی۔ متن قرآن میں تبدیلی سے تو خدا نے تمام قوموں کو عاجز کر رکھا ہے، پھر وہاں کسی کا امتحان کس طرح ہوگا۔

سچا راستہ

خدا تک پہنچنے کی صراط مستقیم

مولانا وحید الدین خاں

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

اشاعت اول ۱۹۸۱

قیمت ایک روپیہ

آغاز کلام

سورج اپنے روشن چہرہ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور انسان کے اوپر اس طرح چمکتا ہے جیسے وہ کوئی پیغام سنانا چاہتا ہو۔ مگر وہ کچھ کہنے سے پہلے ڈوب جاتا ہے۔ درخت اپنی ہری بھری شاخیں نکالتے ہیں، دریا اپنی موجوں کے ساتھ رواں ہوتا ہے۔ یہ سب بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ مگر انسان ان کے پاس سے گزر جاتا ہے، بغیر اس کے کہ ان کا کوئی بول اس کے کان میں پڑا ہو۔ آسمان کی بلندیاں، زمین کے مناظر سب ایک بہت بڑے "اجتماع" کے شرکاء معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک خاموش کھڑا ہوا ہے۔ وہ انسان سے ہم کلام نہیں ہوتا۔

کائنات کیا گونگے شاہکاروں کا ایک عظیم عجائب خانہ ہے۔ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس خدا کا ایک پیغام ہے اور اس کو وہ ابدی زبان میں نشر کر رہا ہے۔ مگر انسان دوسری آوازوں میں اتنا کھویا ہوا ہے کہ اس کو کائنات کا خاموش کلام سنائی نہیں دیتا۔

پیغمبر اسی بے الفاظ خدائی کلام کو الفاظ دیتا ہے۔ وہ خاموش پیغام کو ہمارے لئے سننے کے قابل بناتا ہے۔ پیغمبر بتاتا ہے کہ خدا کا وہ دین کون سا ہے جو اس کو انسان سے بھی مطلوب ہے اور بقیہ کائنات سے بھی۔

پیغمبر کے لائے ہوئے اس دین کی بنیاد قرآن پر ہے جو خدا کی طرف سے عربی زبان میں اتارا گیا ہے۔ پھر اس کتاب کی مزید وضاحت سنت سے ہوتی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کی صورت میں کتابوں کے وسیع ذخیرہ میں مرتب ہو کر موجود ہے۔ جو شخص سنجیدگی کے ساتھ اس کو جاننا چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ ان کتابوں کو پڑھے۔ کیونکہ یہی وہ کتابیں ہیں جو دین خداوندی کو سمجھنے کے لئے اصل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جو لوگ ان کتابوں کے پورے ذخیرے کے مطالعہ کا وقت نہ رکھتے ہوں ان کے لئے کم سے کم مختصر نصاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

قرآن مجید
سیرۃ نبوی از حافظ ابن کثیر
مشکوٰۃ المصابیح
حیاۃ الصحابہ از مولانا محمد یوسف کاندھلوی

یہ سب معروف و مشہور کتابیں ہیں اور ہر جگہ بآسانی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ یہ کتابیں اصلاً عربی زبان میں ہیں۔ تاہم ان کے ترجمے مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ پڑھنے والا اپنی سہولت کے مطابق ان کو اپنی مطلوبہ زبان میں حاصل کر کے پڑھ سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب اسی دین خداوندی کے عمومی اور ابتدائی تعارف کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اگر وہ پڑھنے والے کے اندر یہ شوق پیدا کر دے کہ وہ اس دین کا مزید تفصیلی مطالعہ کر کے حقیقت کو جاننے کی کوشش کرے تو یہی اس کی کامیابی کے لئے کافی ہے۔

وحید الدین ۲۷ دسمبر ۱۹۸۰

انسان کی تلاش

انسان ایک کامل دنیا چاہتا ہے، مگر وہ ایک ناقص دنیا میں رہنے کے لئے مجبور ہے۔ ہماری خوشیاں بے حد عارضی ہیں۔ ہماری ہر کامیابی اپنے ساتھ ناکامی کا انجام لئے ہوئے ہے۔ ہم اپنی امیدوں کی "صبح" کو بھرپور دیکھ بھی نہیں پاتے کہ اس پر "شام" آجاتی ہے۔ ہماری زندگی کے درخت پر شادابی اور بہار کے چند سال بھی نہیں گزرتے کہ حادثہ اور بڑھاپا اور موت اس کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جیسے کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔

پھول کس قدر حسین ہوتے ہیں، مگر پھول صرف اس لئے کھلتے ہیں کہ وہ مرجھا جائیں۔ سورج کی روشنی کتنی لطیف ہے، مگر سورج کی روشنی کے لئے مقدر ہے کہ وہ کچھ دیر کے لئے چمکے اور اس کے بعد رات کا تاریک پردہ اسے چھپالے۔ ایک زندہ انسان کیسا معجزاتی وجود ہے، مگر کوئی انسان اپنے آپ کو موت اور حادثات سے نہیں بچا سکتا۔ یہی موجودہ دنیا کی تمام چیزوں کا حال ہے۔ یہ دنیا ناقابل قیاس حد تک نفیس اور بامعنی ہے۔ مگر یہاں کی ہر خوبی زائل ہونے والی ہے، یہاں کی ہر چیز میں کوئی نہ کوئی نقص کا پہلو ہے جو کسی طرح اس سے جدا نہیں ہوتا۔ جو خدا اپنی ذات میں کامل ہو وہ ایک ایسی کائنات کو پیدا کرنے پر اکتفا نہیں کر سکتا جو اپنی ذات میں ناقص ہو۔ کامل کا غیر کامل پر ٹھیر جانا ممکن نہیں۔ یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ موجودہ دنیا آخری نہیں۔ ضرور ہے کہ اس کے بعد ایک اور دنیا آئے جو موجودہ دنیا کی کمیوں کی تلافی کرنے والی ہو۔

موجودہ دنیا کے متعلق یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ فانی ہے۔ وہ تقریباً ۲۰ ہزار ملین سال پہلے ایک وقت خاص میں وجود میں آئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کائنات کا خالق ازلی وجود رکھنے والا ہے۔ ایک ازلی خالق ہی ایک غیر ازلی مخلوق کو پیدا کر سکتا ہے۔ خدا اگر ہمیشہ سے نہ ہو تو وہ کائنات کبھی موجود نہیں ہو سکتی جو ہمیشہ سے نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فانی کائنات کو ماننے کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ ہم ایک غیر فانی خالق کو مانیں۔ "فانی" کائنات کا موجود ہونا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ یہاں ایک "غیر فانی" خالق موجود ہے۔ خالق اگر غیر ابدی ہوتا تو وہ سرے سے موجود ہی نہ ہوتا، اور جب خالق موجود نہ ہوتا تو مخلوقات کے وجود میں آنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

جب ہم کہتے ہیں کہ دنیا "۲۵ نومبر" کو پیدا ہوئی تو اس کا لازمی مطلب یہ ہوتا ہے کہ ۲۵ نومبر سے

پہلے بھی کوئی موجود تھا جس نے اس کو پیدا کیا۔ اگر کہا جائے کہ پیدا کرنے والا بھی کسی پچھلے "۲۵ نومبر" کو پیدا ہوا تھا تو یہ بات بالکل بے معنی ہوگی۔ پیدا کرنے والا اگر پچھلے کسی ۲۵ نومبر کو پیدا ہونے والا ہو تو وہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ خالق ہمیشہ سے تھا، اسی لئے اس نے غیر ہمیشہ کو پیدا کیا، اگر وہ ہمیشہ سے نہ ہوتا تو وہ سرے سے موجود نہ ہوتا پھر غیر ہمیشہ کا وجود کہاں سے آتا۔

خدا ازلی ہے اور اسی لئے خدا ایک کامل ہستی ہے۔ کیونکہ ازلیت کمال کا سب سے بڑا وصف ہے۔ جو ازلی ہو وہ لازماً کامل بھی ہوگا۔ ازلیت اور کمال دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔

موجودہ دنیا خدا کی صفات کا ایک ظہور ہے۔ مگر موجودہ دنیا میں کمی اور محدودیت کا ہونا بتاتا ہے کہ موجودہ دنیا خدا کی صفات کا کامل ظہور نہیں۔ کامل اور ابدی خدا کی صفات کا کامل ظہور وہی ہے جو خود بھی کامل اور ابدی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیا کو ابھی ایک اور دنیا کا انتظار ہے، خدا کی صفات کا ظہور اپنی تکمیل کے لئے ابھی ایک اور ظہور کا تقاضا کرتا ہے۔

جنت خدا کی وہ دنیا ہے جہاں اس کی صفات اپنے پورے کمال کے ساتھ ظاہر ہوں گی۔ جنت ان تمام کمیوں سے پاک ہوگی جن کا ہم آج کی دنیا میں تجربہ کرتے ہیں۔ جنت خدا کی اس قدرتِ کاملہ کا مظہر ہے کہ وہ حسن میں ابدیت کی شان پیدا کرسکتا ہے، وہ لذت کو لامحدود بنانے کا اختیار رکھتا ہے۔ وہ ایسی دنیا کی تخلیق کرسکتا ہے جہاں اتھاہ سکون ہو اور جس کا چین کبھی ختم نہ ہوسکے۔

ہر آدمی ایک اَن دیکھے سکون کی تلاش میں ہے۔ ہر آدمی ایک ایسی مکمل دنیا کا طالب ہے جس کو وہ ابھی تک پا نہ سکا۔ یہ طلب موجودہ کائنات میں اجنبی نہیں۔ جو کائنات ایک ازلی خدا کی شہادت دے رہی ہو وہاں ازلی خوبیوں کی ایک دنیا کا ظہور اتنا ہی ممکن ہے جتنا خود موجودہ غیر ازلی دنیا کا ظہور۔ کیونکہ جس کائنات کا خالق اپنی ذات میں ازلی ہو وہ اپنی صفات کے غیر ازلی ظہور پر اکتفا نہیں کرسکتا۔ جس خدا نے نیست سے ہست کو پیدا کیا وہ یقیناً ہست میں ابدیت کی شان بھی پیدا کرسکتا ہے، اور یقیناً دوسرا کارنامہ پہلے کارنامہ سے کچھ مشکل نہیں۔

ازلیت ایک خاص الخاص خدائی صفت ہے، اس صفت میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ ازلیت

اعلیٰ ترین کمال ہے جو صرف ایک خدا کے لئے سزاوار ہے۔ وہ جنت جو خدا کی صفتِ ازلیت کا ظہور ہو وہ ایسی عجیب و غریب چیز ہوگی جس کا آج کوئی انسان تصور نہیں کر سکتا۔ وہ حسن جس کے لئے کبھی مرجھانا نہ ہو، وہ لذت جو کبھی ختم ہونے والی نہ ہو، وہ عیش جس کا تسلسل ابدی طور پر باقی رہے، امیدوں اور تمناؤں کی وہ دنیا جس کے کمالات پر کبھی کوئی زوال نہ آئے، ایسی جنتی دنیا اتنی حیرت ناک حد تک لذیذ ہوگی کہ آدمی نیند کے بقدر بھی اس سے انقطاع نہ چاہے گا خواہ اس پر اربوں اور کھربوں سال کیوں نہ گزر جائیں۔

انسان ہمیشہ ایک ایسی زندگی کی تلاش میں رہتا ہے جس میں اس کو ابدی آرام حاصل ہو۔ یہ تلاش صحیح بھی ہے اور انسانی فطرت کے مطابق بھی۔ مگر ہمارے خوابوں کی یہ زندگی ہمیں موجودہ دنیا میں نہیں مل سکتی۔ موجودہ دنیا میں ابدی خوشیوں کا نظام بننا ممکن نہیں۔ یہاں وہ اسباب موجود ہی نہیں جو ابدی خوشیوں اور راحتوں کی دنیا کو ظہور میں لانے کے لئے ضروری ہیں۔

پیغمبر نے بتایا کہ موجودہ دنیا کو خدا نے امتحان کی جگہ بنایا ہے نہ کہ انعام پانے کی جگہ۔ یہاں صرف وہ اسباب جمع کئے گئے ہیں جو آدمی کے امتحان کے لئے ضروری ہیں۔ خوشیوں اور راحتوں کی ابدی زندگی حاصل کرنے کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ دوسری دنیا میں فراہم ہوں گے جو موجودہ دنیا کے بعد ہمارے سامنے آنے والی ہے۔ ہمارے اور اس اگلی دنیا کے درمیان موت کا فاصلہ ہے۔ موت آدمی کے امتحان کی تکمیل کا وقت ہے اور اسی کے ساتھ آگے کی ابدی دنیا میں داخل ہونے کا بھی۔

جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کو اس کے خوابوں کی زندگی ملے، اس کو موجودہ دنیا میں اپنی "جنت" بنانے کی بے فائدہ کوشش میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے بجائے اس کو یہ کوشش کرنا چاہئے کہ وہ آج کی دنیا میں ہونے والے امتحان میں پورا اترے۔ وہ دنیا میں خدا کا بندہ بن کر زندگی گزارے۔ وہ پیغمبر کی پیروی کو اپنا طریقہ بنائے۔ وہ اپنی آزادی کو خدا کے احکام کی پابندی میں دے دے۔

جو لوگ آج کے امتحان میں پورے اتریں گے وہ اگلی زندگی میں اپنے خوابوں کی دنیا کو پائیں گے۔ جو لوگ امتحان میں ناکام رہیں گے وہ زندگی کے اگلے مرحلے میں اس حال میں پہنچیں گے کہ ابدی بربادی کے سوا اور کوئی چیز نہ ہوگی جو وہاں ان کا استقبال کرے۔

سچائی کیا ہے

ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک سیدھی لکیر صرف ایک ہوتی ہے۔ اسی طرح بندے کو خدا تک پہنچانے والا سیدھا راستہ بھی کوئی ایک ہی راستہ ہوسکتا ہے۔ اسی راستہ کا نام سچائی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ سچائی کیا ہے اور اس کو کس طرح دریافت کیا جائے۔

ہماری خوش قسمتی سے سچائی جس طرح ایک ہے اسی طرح وہ میدان میں بھی تنہا ہے۔ یہاں کئی چیزیں نہیں ہیں جن کے درمیان انتخاب کا سوال ہو۔ یہاں تو ایک ہی چیز ہے اور ہمارے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس ایک کو مان لیں۔ یہ واحد سچائی محمد رسول اللہ کی تعلیمات ہیں۔ اگر آدمی سچائی کی تلاش میں فی الواقع سنجیدہ ہو تو وہ پائے گا کہ خدا نے اس کو انتخاب کی آزمائش میں نہیں ڈالا۔ خدا نے ہم کو ایک ایسی دنیا میں رکھا ہے جہاں انتخاب حق اور ناحق کے درمیان ہے نہ کہ حق اور حق کے درمیان۔ (یونس ۳۲)

فلسفہ سچائی کی تلاش میں کم از کم پانچ ہزار سال سے سرگرداں ہے۔ مگر اس کی لمبی تلاش نے اس کو صرف اس مقام پر پہنچایا ہے کہ وہ خود اقرار کر رہا ہے کہ وہ آخری سچائی تک نہیں پہنچ سکا اور نہ کبھی پہنچ سکتا۔ فلسفہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ عقلی غور و فکر کے ذریعہ سچائی تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر عقل اپنی معلومات کے دائرہ میں غور کرتی ہے۔ اور سچائی کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے بارے میں کوئی واقعی رائے قائم کرنے کے لئے پوری کائنات کا علم درکار ہے۔ کوئی فلسفی کبھی کائناتی معلومات تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے وہ سچائی کے بارے میں کوئی قطعی رائے بھی قائم نہیں کرسکتا۔

سائنس نے اس معاملہ میں اپنے کو میدان میں کھڑا ہی نہیں کیا ہے۔ سائنس اپنی کھوج ان امور میں جاری کرتی ہے جہاں قابل اعادہ تجربات کے ذریعہ نتائج تک پہنچنا ممکن ہو۔ سائنس پھول کی کیمسٹری کو موضوع بحث بناتی ہے مگر وہ پھول کی مہک کو اپنی بحث سے خارج قرار دیتی ہے۔ کیونکہ پھول کے کیمیائی اجزار تو لے اور ناپے جاسکتے ہیں مگر پھول کی مہک کو تولنے اور ناپنے کا کوئی ذریعہ سائنس کے پاس نہیں۔ اس طرح سائنس نے اپنے دائرہ بحث کو خود ہی محدود کر لیا ہے۔ چنانچہ سائنس نے پیشگی یہ اقرار کر لیا ہے کہ وہ عالم حقائق کے صرف جزئی پہلو سے بحث کرتی ہے، وہ کلی حقائق کے بارے میں کوئی بیان دینے کی پوزیشن میں نہیں۔

روحانی شخصیات کا دعویٰ ہے یا کم از کم ان کے ماننے والے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ سچائی سے باخبر ہیں اور سچائی کے بارے میں قطعی معلومات دے سکتے ہیں۔ مگر اس عقیدہ کے لئے کوئی بنیاد موجود نہیں۔ روحانی شخصیات اپنے دعوے کے مطابق جس ذریعہ سے سچائی تک پہنچتی ہیں وہ روحانی ریاضتیں ہیں۔ مگر نام نہاد روحانی ریاضتیں حقیقۃً جسمانی ریاضتیں ہیں اور جسمانی ریاضتوں کے ذریعہ روحانی دریافت بجائے خود ایک بے اصل بات ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی بھی روحانی شخصیت، اپنی ذات میں، ان محدودیتوں سے خالی نہیں ہے جن محدودیتوں کا شکار اس کے جیسے دوسرے تمام انسان ہیں۔ دوسرے انسان اپنی جن محدودیتوں کی وجہ سے سچائی تک نہیں پہنچ سکتے وہی محدودیتیں خود ان روحانی شخصیتوں کی راہ میں بھی حائل ہیں۔ کسی بھی قسم کی ریاضت آدمی کو اس کی فطری محدودیتوں سے بالا نہیں کر سکتی، اس لئے کسی بھی قسم کی ریاضت اس کو مطلق سچائی تک نہیں پہنچا سکتی۔

اس کے بعد میدان میں صرف پیغمبر رہ جاتے ہیں۔ پیغمبر وہ انسان ہے جو یہ کہتا ہے کہ خدا نے اس کو چنا ہے اور اس پر سچائی کا علم اتارا ہے تاکہ وہ اس کو دوسرے تمام لوگوں تک پہنچا دے۔ اپنی نوعیت کی حد تک یہی ایک دعویٰ ہے جو اس معاملہ میں قابل اعتبار ہے۔ کیونکہ سچائی کا حقیقی علم صرف خدا ہی کو ہو سکتا ہے جو ازلی و ابدی ہے اور تمام حقیقتوں سے براہ راست واقف ہے۔ خدا کا خدا ہونا ہی یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ وہ حقیقت کا کلی علم رکھتا ہو۔ اس لئے جو شخص یہ کہے کہ اس کو براہ راست خدا کی طرف سے سچائی کا علم پہنچا ہے اس کا دعویٰ یقیناً اس قابل ہے کہ اس معاملہ میں اس کا لحاظ کیا جائے۔

یہاں ایک سوال ہے۔ پیغمبر ہماری دنیا میں کوئی ایک نہیں بلکہ بہت سے ہیں۔ ان کی کتابیں بھی کئی ہیں۔ پھر کس پیغمبر کو مانا جائے۔ تاہم آدمی اگر سچائی کی تلاش میں سنجیدہ ہو تو اس سوال کا جواب معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خدا نے ماضی میں بہت سے لوگوں کو پیغمبری کے لئے چنا۔ مگر ایک کے سوا تمام پیغمبر اعتقادی پیغمبر ہیں نہ کہ تاریخی پیغمبر۔ ماضی کے کسی واقعہ کو ماننے کا واحد معیار انسان کے پاس یہ ہے کہ اس کو تاریخی اعتباریت حاصل ہو۔ مگر یہ پیغمبر اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ جو لوگ پیغمبر ہونے کے مدعی ہوئے ہیں ان میں صرف ایک ہی پیغمبر ہیں جن کو پورے معنوں میں تاریخی اعتباریت کا درجہ حاصل ہے۔ اور وہ پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بارے میں ہر بات تاریخی طور پر معلوم اور مسلّم ہے۔ موجودہ زمانہ کی کسی شخصیت کے بارے میں ہم جتنا جانتے ہیں اس سے بھی زیادہ ہم پیغمبر عربی کے بارے میں جانتے ہیں۔ آپ کے سوا دوسرے

تمام پیغمبر روایات کے اندھیرے میں گم ہیں۔ ان کے بارے میں مکمل تاریخی معلومات حاصل نہیں۔ اور نہ ان کی چھوڑی ہوئی کتاب آج اپنی اصل صورت میں محفوظ ہے۔ یہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی زندگی تاریخی طور پر پوری طرح معلوم ہے۔ اور وہ کتاب بھی ادنیٰ تبدیلی کے بغیر کامل صورت میں موجود ہے جس کو آپ نے یہ کہہ کر لوگوں کے حوالے کیا تھا کہ یہ میرے پاس خدا کی طرف سے آئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خالص علمی و عقلی اعتبار سے دیکھا جائے تو "سچائی کیا ہے" کے سوال کا جواب نہ صرف نظری طور پر ایک ہے بلکہ عملی طور پر بھی میدان میں صرف ایک ہی جواب موجود ہے۔ یہاں دوسرا کوئی جواب حقیقی طور پر موجود ہی نہیں۔ ہمیں بہت سے جوابات میں سے ایک جواب کو چننا نہیں ہے بلکہ ایک ہی موجود جواب کو اختیار کرنا ہے

یہ سچائی خدا کی بات ہے اور خدا کی بات ہمیشہ ایک رہتی ہے۔ جس طرح دنیا کی دوسری چیزوں کے لئے خدا کا حکم ہمیشہ سے ایک ہے، اسی طرح انسان کے لئے بھی خدا کا حکم ایک ہے اور ہمیشہ ایک رہے گا۔ زمین و آسمان کا قانون اربوں سال گزرنے پر بھی نہیں بدلتا۔ درخت اور پانی کے اصول جو ایک جغرافیہ میں ہوتے ہیں وہی دوسرے جغرافیہ میں ہوتے ہیں، یہی حال انسان کے بارے میں خدا کے حکم کا بھی ہے۔ انسان کے بارے میں خدا کا جو حکم ہے وہ وہی آج بھی ہے جو ہزاروں سال پہلے تھا۔ وہ ایک ملک کے انسانوں کے لئے بھی وہی ہے جو دوسرے ملک کے انسانوں کے لئے۔

زندگی کے کچھ پہلو ایسے ہیں جو بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً سواریاں، مکانات وغیرہ۔ مگر سچائی کا تعلق اس قسم کی چیزوں سے نہیں۔ سچائی کا تعلق اُس "انسان" سے ہے جو ہمیشہ ایک حالت میں رہتا ہے۔ سچائی کا تعلق اِس سے ہے کہ آدمی کس کو اپنا خالق و مالک سمجھے۔ وہ کس کے آگے جھکے اور کس کی عبادت کرے۔ وہ کس سے ڈرے اور کس سے محبت کرے۔ وہ اپنی کامیابی اور ناکامی کو کس معیار سے جانچے۔ اس کی زندگی کا مقصد اور اس کے جذبات کا مرکز کیا ہو۔ لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے وہ کن قواعد کے تحت ان سے معاملہ کرے۔ سچائی کا تعلق زندگی کے انھیں امور سے ہے، اور یہ امور وہ ہیں جن کا کوئی تعلق زمانہ یا جغرافیہ سے نہیں۔ وہ ہر مقام پر اور ہر زمانہ میں یکساں طور پر ہر ایک سے مطلوب ہوتے ہیں۔ خدا ایک ہے اور ابدی ہے۔ ٹھیک اسی طرح سچائی بھی ایک ہے اور اسی کے ساتھ ابدی بھی۔

خطرہ کا الارم

زندگی کی حقیقت کیا ہے، عام آدمی اس قسم کے سوالات میں پڑنا پسند نہیں کرتا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ یہاں عزت اور آرام کے ساتھ اپنی عمر پوری کر لو۔ اس کے بعد نہ تم ہوگے اور نہ تمہارا کوئی مسئلہ۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جو اس سوال کے بارے میں سوچتے ہیں۔ مگر ان کا سوچنا فلسفیانہ انداز کا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی ساری کوشش صرف یہ ہوتی ہے کہ سامنے کی دنیا کی کوئی نظریاتی توجیہہ حاصل کر لیں۔ اس قسم کی فلسفیانہ توجیہات، تعداد میں مختلف ہونے کے باوجود، صرف توجیہات ہیں۔ وہ آدمی کے لئے کوئی ذاتی مسئلہ پیدا نہیں کرتیں۔ ایک روح عالم اپنی تکمیل کے لئے پورے کارخانہ کو چلا رہی ہے یا تمام چیزیں کسی بالاتر وجود کے اجزاء ہیں، اس قسم کی نظریاتی بحثوں سے ایک آدمی کا ذاتی تعلق کیا ہے۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے پاس اس سوال کا کوئی نہ کوئی مذہبی جواب ہے۔ مگر ان میں بھی آدمی کے لئے کوئی سنگینی کا پہلو نہیں۔ ان میں سے کسی کے نزدیک خدا کا بیٹا تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ بن چکا ہے۔ کسی کے نزدیک زندگی ہمارے شعور سے بالاتر ایک جبری چکر ہے۔ آدمی ایک جبری نظام کے تحت اپنے آپ بار بار پیدا ہوتا ہے اور بار بار مرتا ہے۔ کوئی بتاتا ہے کہ آدمی کی جو کچھ جزا و سزا ہے اسی دنیا کی زندگی میں ہے، وغیرہ۔

زندگی کے مسئلہ کے بارے میں اس قسم کے جتنے بھی جوابات ہیں وہ باہم ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں۔ مگر اس حیثیت سے سب ایک ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو ایک ایک آدمی کے لئے ذاتی طور پر کوئی سنگین مسئلہ پیدا کرتا ہو۔ یہ جوابات یا تو جو کچھ ہو رہا ہے اس کی محض توجیہات ہیں یا ہمارے لئے صرف ایک قسم کی روحانی تسکین فراہم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ وہ اس نوعیت کی کوئی چیز نہیں ہیں جس کو کسی بڑے خطرہ کا الارم کہا جائے۔

مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ان تمام جوابات سے سراسر مختلف ہے۔ دوسرے جوابات میں سے کوئی جواب بھی آدمی کے لئے ذاتی سوال نہیں بنتا، وہ آدمی کے لئے کوئی نازک مسئلہ کھڑا نہیں کرتا۔ مگر پیغمبر اسلام کا جواب ایک ایک آدمی کو ایسے خطرناک کنارے پر کھڑا کر رہا ہے جس کے بعد اس کا اگلا قدم یا تو تباہی

کے خوفناک گڑھے میں پڑنے والا ہے یا کامیابی کی ابدی دنیا میں۔ اس کا تقاضا ہے کہ ہر آدمی آپ کے بارے میں انتہائی سنجیدہ ہو۔ وہ اندھیرے میں چلنے والے اس مسافر سے بھی زیادہ سنجیدہ ہو جائے جس کی ٹارچ اچانک اس کو "خبر" دے کہ اس کے سامنے عین اگلے قدم پر کالا سانپ رینگ رہا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیغام دیا وہ ساری دنیا کے لئے بہت بڑی چیتاونی ہے۔ آپ نے بتایا کہ موجودہ دنیا کے بعد ایک اور وسیع تر دنیا آنے والی ہے جس کا نام آخرت ہے۔ وہاں ہر آدمی کا حساب لیا جائے گا اور ہر آدمی کو اس کے عمل کے مطابق یا تو ابدی عذاب ہوگا یا ابدی ثواب۔ موجودہ دنیا میں جو چیزیں آدمی کا سہارا بنی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی چیز وہاں کسی کے کام نہیں آئے گی۔ وہاں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کسی قسم کی سفارش چلے گی (بقرہ ۲۵۴)

آپ کی یہ چیتاونی آپ کے وجود کو ہر شخص کا ذاتی سوال بنا دیتی ہے۔ اس کے مطابق ہر آدمی ایک انتہائی نازک انجام کے کنارے کھڑا ہوا ہے۔ وہ یا تو آپ کی خبر پر یقین کر کے آپ کی ہدایت کے مطابق ابدی جنت میں جانے کی تیاری کرے یا آپ کی خبر کو نظر انداز کر دے اور بے پروائی کی زندگی گزار کر ابدی جہنم کا خطرہ مول لے۔

یہاں دو چیزیں ہیں جو اس مسئلہ کو مزید سنجیدہ بنا رہی ہیں۔ آپ کے سوا دوسرے لوگ جو اس معاملہ میں کوئی بات کہہ رہے ہیں ان کا استناد حد درجہ مشتبہ ہے۔ وہ لوگ جو کمانے اور مرجانے کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کے پاس اپنے خیال کے لئے سرے سے کوئی دلیل نہیں۔ ان کا فکری ڈھانچہ کسی دلیل کے بغیر محض سطحی جذبات پر قائم ہے۔ فلسفیانہ انداز میں بات کرنے والے لوگوں کے پاس بھی دلیل کے نام سے صرف قیاسات ہیں۔ ان کو نہ اپنی رائے پر خود یقین حاصل ہے نہ وہ کوئی ایسی بات پیش کرتے جس کے اوپر دوسرا شخص یقین کر سکے۔

اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو پیغمبروں اور مذہبی کتابوں کے حوالے سے بول رہے ہیں۔ یہ اصولی طور پر اپنے پیچھے ایک قابل اعتماد بنیاد رکھتے ہیں۔ مگر وہ جن کتابوں اور پیغمبروں کا حوالہ دیتے ہیں ان کا تعلق ماضی کے بہت پہلے گزرے ہوئے زمانہ سے ہے۔ ان کتابوں اور شخصیتوں کے بارے میں آج ہمارے پاس مستند معلومات موجود نہیں۔ اس لئے اصولی طور پر قابل اعتماد ذریعہ سے وابستہ ہونے کے باوجود وہ جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ

بجائے خود قابل اعتماد نہیں۔ ماضی کی کسی چیز کی صداقت کو جانچنے کا معیار تاریخ ہے اور ان تعلیمات کو تاریخ کی تصدیق حاصل نہیں۔

مگر پیغمبر اسلام کا معاملہ سراسر مختلف ہے۔ ایک طرف یہ کہ کسی شخص کے پیغمبر خدا ہونے کا جو بھی معیار مقرر کیا جائے، اس پر آپ کامل طور پر پورے اترتے ہیں۔ آپ کی زندگی میں وہ تمام عناصر بہ تمام و کمال موجود ہیں جو خدا کے ایک پیغمبر میں ہونے چاہئیں۔ آپ کی پیغمبری ایک ایسا ثابت شدہ واقعہ ہے جس سے انکار کسی حال میں ممکن نہیں۔

دوسرے یہ کہ آپ کی زندگی اور آپ کی تعلیمات اتنی صحت کے ساتھ آج بھی ہمارے پاس موجود ہیں کہ ان کی تاریخی اعتباریت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کا دیا ہوا قرآن آج بھی اسی طرح لفظ بلفظ موجود ہے جس طرح آپ نے اس کو دیا تھا۔ آپ کا قول و عمل اس طرح صحت کے ساتھ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے جیسے کہ آج بھی آپ ہمارے سامنے بول رہے ہوں اور چل پھر رہے ہوں۔ بغیر کسی ادنیٰ شبہ کے آدمی آج بھی یہ معلوم کر سکتا ہے کہ آپ نے کیا کہا اور کیا کیا۔

پیغمبر کی چیتا دنی کے مطابق ہم ایک ایسی حقیقت سے دوچار ہیں جس کو ہم بدل نہیں سکتے۔ ہم مجبور ہیں کہ اس کا سامنا کریں۔ موت یا خودکشی سے بھی ہم معدوم نہیں ہوتے بلکہ صرف دوسری دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ کامیابی یا ناکامی کا ایک نقشہ خالق نے ابدی طور پر بنا دیا ہے۔ کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس خدائی نقشہ کو بدل دے یا اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ کر لے۔ ہم کو صرف یہ اختیار ہے کہ جنت یا جہنم میں سے کسی ایک کو چن لیں۔ ہم کو یہ اختیار نہیں کہ دونوں سے الگ ہو کر اپنے لئے کسی تیسرے انجام کی تخلیق کریں۔

رصدگاہ اگر بھونچال کی خبر دے تو یہ ایک ایسے آنے والے حادثہ کی خبر ہوتی ہے جس میں فیصلہ کا اختیار تمام تر دوسرے فریق کو ہوتا ہے، دوچار ہونے والے کو اس میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ آدمی یا تو اس سے بھاگ کر اپنے کو بچائے یا اس میں پڑ کر اپنے کو برباد کر لے۔ اسی طرح قیامت بھی ایک ایسا بھونچال ہے جس میں آدمی یا تو پیغمبر کی بتائی ہوئی تدبیر اختیار کر کے اپنے کو بچائے گا یا اس کو نظر انداز کر کے اپنے کو ابدی ہلاکت میں مبتلا کرے گا۔

پیغمبر خدا کی تعلیمات

خدا کا دین ایک دین ہے۔ تمام پیغمبروں کے ذریعہ ایک ہی دین ہمیشہ بھیجا جاتا رہا ہے۔ مگر انسان نے اپنی غفلت کی وجہ سے یا تو اس کو ضائع کر دیا یا اس کو بدل ڈالا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسی خدائی دین کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ اور اس کو اس کی اصلی شکل میں پیش کر کے ہمیشہ کے لئے کتابی صورت میں محفوظ کر دیا گیا۔ اب تمام انسانوں کے لئے قیامت تک یہی مستند دین ہے۔ خدا کی قربت اور آخرت کی نجات حاصل کرنے کا اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔

آپ نے بتایا کہ خدا ایک ہے۔ اس کا کسی بھی اعتبار سے کوئی شریک نہیں۔ اسی نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور اسی کو ہر قسم کی طاقتیں حاصل ہیں۔ انسان کو چاہئے کہ صرف اسی کے آگے جھکے اور اسی کی عبادت کرے۔ اسی سے مانگے اور اسی سے امیدیں قائم کرے۔ خدا اگرچہ بظاہر دکھائی نہیں دیتا مگر وہ انسان سے اتنا قریب ہے کہ جب بھی آدمی اس کو پکارتا ہے وہ اس کی پکار کو سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے۔ خدا کے نزدیک کسی انسان کا یہ سب سے بڑا گناہ ہے کہ وہ کسی اعتبار سے کسی کو خدا کا شریک یا اس کے برابر ٹھہرائے۔

کوئی انسان یا غیر انسان ایسا نہیں جس کو خدا اور بندوں کے درمیان وسیلہ یا واسطہ کا مقام حاصل ہو۔ انسان جب بھی خدا کو یاد کرتا ہے، وہ براہ راست خدا سے مربوط ہو جاتا ہے۔ انسان کو اپنے خالق و مالک سے جڑنے کے لئے کسی درمیانی وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح آخرت میں بھی کوئی خدا کی عدالت میں کسی کا سفارشی نہیں بن سکتا۔ خدا اپنے ہر بندے کا فیصلہ خود اپنے علم کے مطابق کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کے فیصلہ پر اثر انداز ہو سکے۔ خدا اپنا فیصلہ کرنے میں کسی کا پابند نہیں۔ خدا کے تمام فیصلے حکمت اور انصاف کی بنیاد پر ہوتے ہیں نہ کہ سفارش یا تقرب کی بنیاد پر۔

خدا کی عبادت کوئی عملیاتی ضمیمہ نہیں ہے۔ یہ پوری زندگی کے ساتھ خدا کے آگے جھک جانا ہے۔ خدا کی عبادت کرنے والا وہی ہے جو خدا کا عابد اس طرح بنے کہ خدا ہی اس کا سب کچھ ہو جائے۔ وہ اسی کی پرستش کرے، اسی سے ڈرے، اسی کو چاہے، اسی سے امید باندھے، وہ اس کو اپنی تمام توجہات اور سرگرمیوں کا مرکز بنائے۔ خدا کی عبادت خدا کے سامنے کامل حوالگی کا نام ہے نہ کہ محض کسی رسم کی وقتی بجا آوری کا۔

بندوں کے درمیان رہتے ہوئے آدمی کو ہر وقت یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے اور اپنے علم کے مطابق اس سے اس کی کارگزاری کا حساب لے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ آدمی ظلم، جھوٹ، بغض، گھمنڈ حسد، خود غرضی، بدمعاملگی، لوٹ کھسوٹ، دھاندلی، اور اس قسم کی دوسری اخلاقی برائیوں سے اپنے کو بچائے تاکہ خدا کی میزان میں وہ مجرم نہ ٹھہرے۔ اللہ سے ڈرنے والا بندوں کے معاملہ میں نڈر ہو کر نہیں رہ سکتا۔ جو لوگ بندوں کے ساتھ برا سلوک کریں گے ان کو خدا سے اپنے لئے اچھے سلوک کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ خدا کے اچھے سلوک کا مستحق صرف وہ ہے جو خدا کے یہاں اس طرح پہنچے کہ اس نے خدا کے بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہو۔

آپ نے بتایا کہ خدا کی زمین پر خدا کے بندوں کے لئے زندگی گزارنے کا صرف ایک ہی جائز طریقہ ہے۔ یہ کہ آدمی پوری زندگی اور تمام معاملات میں خدا کا فرماں بردار بن کر رہے۔ اس فرماں برداری کے آداب اور اصول قرآن میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کا عملی نمونہ موجود ہے۔ اب تمام انسانوں کے لئے خدا کی پسندیدہ زندگی صرف یہ ہے کہ وہ قرآن سے اپنے لئے ہدایت حاصل کرے اور پیغمبر کے نمونہ کو دیکھتے ہوئے اس کے مطابق زندگی گزارے

آپ نے جو دین پیش کیا ہے وہ آدمی کی پوری زندگی کے لئے ایک واضح نقشہ دیتا ہے اور ہر آدمی کو اسی نقشہ پر چلنا ہے۔ اس نقشہ کا ایک مختصر علامتی نظام پانچ خاص ارکان کی صورت میں مقرر کیا گیا ہے۔ یہ پانچ ارکان پوری اسلامی زندگی کے لئے بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔

اول کلمۂ شہادت (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کا اقرار ہے۔ یہ کلمہ گویا وہ اعلان ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ آدمی ایک دائرہ سے نکل کر دوسرے دائرہ میں داخل ہو گیا۔ وہ غیر اسلام کو چھوڑ کر اسلام کی صف میں آگیا۔ دوسری چیز نماز ہے۔ یعنی پیغمبر کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق روزانہ پانچ وقت خدا کی عبادت کرنا۔ تیسری چیز روزہ ہے۔ یعنی ہر سال رمضان میں پورے ایک مہینہ تک صبر و برداشت کا وہ عمل کرنا جس کو روزہ کہا جاتا ہے۔ چوتھی چیز زکوٰۃ ہے۔ یعنی آدمی اپنے مال میں سے مقرر طریقہ کے مطابق ہر سال خدا کا حق نکالے اور اس کو خدا کی مقرر کی ہوئی مدوں میں خرچ کرے۔ پانچویں چیز حج ہے۔ یعنی استطاعت کی صورت میں عمر میں کم از کم ایک بار بیت اللہ کا حج کرنا۔ آدمی جب یہ پانچ شرطیں پوری کرتا ہے تو وہ پیغمبر کی قائم کی ہوئی اسلامی برادری میں شامل ہو جاتا ہے۔

زندگی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک زندگی وہ ہے جو آخرت کی بنیاد پر بنتی ہے۔ دوسری زندگی وہ ہے جو دنیا کی بنیاد پر بنتی ہے۔ آخرت کی بنیاد پر بننے والی زندگی میں رہنمائی کا مقام پیغمبر کو حاصل رہتا ہے۔ آدمی پیغمبر کے بتانے کے مطابق اپنا عقیدہ بناتا ہے اور اسی کے بتانے کے مطابق اپنی زندگی کو چلاتا ہے۔ اس کے برعکس جو زندگی دنیا کی بنیاد پر بنتی ہے اس میں آدمی اپنا رہنما آپ ہوتا ہے اور اپنی عقل یا نفس کے مطابق اپنے فکر و عمل کا ڈھانچہ بناتا ہے۔ پہلا اگر خدا کا پرستار ہوتا ہے تو دوسرا خود اپنا۔

پیغمبر کی رہنمائی میں جو زندگی بنتی ہے اس کے اجزار ہوتے ہیں ——— خدا پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، خدا کی کتابوں پر ایمان، خدا کے رسولوں پر ایمان، قیامت اور زندگی بعد موت پر ایمان، جنت دوزخ پر ایمان، اللہ کے مالک اور حاکم ہونے پر ایمان۔ اس ایمانیات کے تحت جو انسان بنتا ہے وہ ایسا انسان ہوتا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کئے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کی تمام سرگرمیاں آخرت رخی بن جاتی ہیں۔ اس کی عبادت، اس کی قربانیاں، اس کا جینا اور اس کا مرنا سب اللہ اور رسول کے لئے ہو جاتا ہے۔

جو زندگی خود اپنی رہنمائی میں بنے وہ ایک آزاد اور بے قید زندگی ہوتی ہے، اس میں آدمی کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ حقیقت کیا ہے۔ وہ اپنے خیالات کے مطابق اپنی پسند کا عقیدہ بنا لیتا ہے۔ اس کے صبح و شام خود اپنی عقل یا نفس کی رہنمائی میں بسر ہوتے ہیں۔ اس کی سرگرمیاں تمام تر دنیا کے فائدوں کے گرد گھومتی ہیں۔ وہ ویسا بنتا ہے جیسا وہ خود بننا چاہتا ہے نہ کہ ویسا جو خدا اور رسول چاہتے ہیں کہ وہ بنے۔

جو لوگ کسی پچھلے پیغمبر کے نام پر کسی دین کو پکڑے ہوئے ہیں، ان کی مذہبیت یا خدا پرستی اس وقت تک معتبر نہیں جب تک وہ پیغمبر اسلام پر ایمان نہ لائیں۔ پیغمبر اسلام پر ایمان لانا گویا خود اپنے دین ہی کو زیادہ صحیح اور کامل صورت میں اختیار کرنا ہے۔ جو لوگ آپ کے اوپر ایمان نہ لائیں وہ اپنے اس عمل سے اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ وہ پیغمبر کے نام پر اپنی قومی روایات اور گروہی تعصبات کو اپنا دین بنائے ہوئے ہیں۔ جو لوگ قومی مذہب کے پرستار ہوں وہ آپ کے لائے ہوئے خدائی مذہب کو نہ پائیں گے۔ وہ اپنے تعصباتی پردہ کی وجہ سے اس سچائی کو نہ دیکھ سکیں گے جو خدا نے اپنے آخری پیغمبر کے ذریعہ ان کے لئے کھولی ہے۔ البتہ جو لوگ فی الواقع خدا اور پیغمبر کے ماننے والے ہوں ان کو پیغمبر اسلام کا دین خود اپنی ہی چیز معلوم ہوگا۔ وہ اس کو اس طرح لیں گے جس طرح کوئی اپنی کھوئی چیز کو دوڑ کر لے لیتا ہے۔

موت کی طرف

موت ہر ایک پر آنی ہے۔ کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔ تاہم موتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جب کہ آدمی اللہ کو اپنا مقصود بنائے ہوئے ہو۔ وہ اللہ کے لئے بولتا ہو اور اللہ کے لئے چپ ہوتا ہو۔ اس کی توجہ تمام تر آخرت کی طرف لگی ہوئی ہو۔ ایسے آدمی کے لئے موت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف سفر کر رہا تھا اور موت کے فرشتہ نے اس کے سفر کو مختصر کر کے اس کو اس کی منزل تک پہنچا دیا۔

دوسرا آدمی وہ ہے جس نے اپنے مالک کو بھلا رکھا ہے۔ اس کا رکنا اور اس کا چلنا اللہ کے لئے نہیں ہوتا۔ وہ اپنے رب کو چھوڑ کر کسی اور طرف بھاگ رہا ہے۔ ایسے شخص کے لئے موت کا دن اس کی گرفتاری کا دن ہے۔ اس کی مثال اس باغی کی سی ہے جو چند دن سرکشی دکھائے اور اس کے بعد اس کو پکڑ کر عدالت میں حاضر کر دیا جائے

بظاہر ایک ہی موت ہے جو دونوں آدمیوں پر آتی ہے۔ مگر دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا پھول اور آگ میں۔ ایک کے لئے موت رب العالمین کا مہمان بننا ہے اور دوسرے کے لئے موت رب العالمین کے قید خانہ میں ڈالا جانا۔ ایک کے لئے موت جنت کے باغوں میں داخلہ کا دروازہ ہے اور دوسرے کے لئے موت وہ دن ہے جب کہ اس کو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جاتا ہے تاکہ اپنی سرکشی کے جرم میں وہاں وہ ابدی طور پر حبتار ہے۔

مومن اور غیر مومن کی تعریف یہ ہے کہ مومن وہ ہے جس کی نگاہیں موت کے مسائل کی طرف لگی ہوئی ہوں، جو موت کے بعد آنے والی دنیا میں عزت حاصل کرنے کو اپنی تمام توجہات کا مرکز بنائے ہوئے ہو۔ اس کے برعکس غیر مومن وہ ہے جو زندگی کے مسائل میں الجھا ہوا ہو، جو موجودہ دنیا میں عزت اور کامیابی حاصل کرنے کو سب سے بڑی چیز سمجھتا ہو۔ آج کے حالات میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کامیاب وہی ہے جو موجودہ دنیا میں اپنی جڑیں مضبوط کئے ہوئے ہو۔ مگر موت اس فریب کو مکمل طور پر ڈھا دے گی۔ اس کے بعد اچانک یہ معلوم ہوگا کہ وہی شخص مضبوط بنیادوں پر کھڑا ہوا تھا جس کو دنیا والوں نے بے بنیاد سمجھ لیا تھا اور وہ تمام لوگ بالکل بے حقیقت تھے جو موت سے پہلے کے حالات میں بظاہر عزت اور ترقی کی بلندیوں پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ موت ہر چیز کو باطل کر دے گی اور اس کے بعد وہی چیز بچے گی جس کی عالم آخرت میں کوئی قیمت ہو ـــــ سچائی کی پکار پر دھیان نہ دینا ہمیشہ اس لئے ہوتا ہے کہ آدمی کے سامنے صرف موت سے پہلے کی دنیا ہوتی ہے۔ آدمی اگر موت کے بعد کی دنیا کو دیکھ لے تو آج ہی وہ اس خدا کے آگے جھک جائے جس کے آگے اسے کل جھکنا ہے، اگرچہ کل کا جھکنا کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔

آخری بات

ایک گھنٹہ گھر کسی چوراہہ پر تعمیر کر دیا جائے تو ہر شخص اس میں وقت دیکھتا ہے اور اپنی گھڑیاں اس سے ملا لیتا ہے۔ کسی کو یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ جن کاریگروں اور انجینئروں نے اس کو نصب کیا ہے وہ مسلمان تھے یا غیر مسلمان۔ اپنی قوم کے تھے یا دوسری قوم کے۔ یا یہ کہ جو گھڑی اس میں لگائی گئی ہے وہ کہاں کی بنی ہوئی ہے۔ اپنے ملک کی یا دوسرے کسی ملک کی۔ صرف اس بات کا یقین کہ اس سے صحیح وقت معلوم کیا جا سکتا ہے، ہر شخص کو اس کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ خدا کا دین بھی تمام انسانوں کی رہنمائی کے لئے اسی قسم کا ایک "گھنٹہ گھر" ہے۔ مگر یہاں ایسا نہیں ہوتا کہ لوگ اس کو دیکھیں اور اس سے اپنے لئے رہنمائی حاصل کریں۔

اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ لوگ وقت جاننے کے بارے میں سنجیدہ ہیں۔ مگر خدا کی بات جاننے کے بارے میں سنجیدہ نہیں۔ خدا کے دین کا تعلق اگلی زندگی کے معاملہ سے ہے اور گھڑی کا تعلق آج کی زندگی کے معاملہ سے۔ لوگوں نے جس چیز کو اپنا مقصد بنا رکھا ہے اس کے بارے میں گھڑی کی اہمیت انھیں معلوم ہے۔ مگر اگلی زندگی میں کامیابی کو انھوں نے اپنا مقصد ہی نہیں بنایا۔ پھر اس میں رہنمائی دینے والی چیز کی اہمیت کا احساس انھیں کیوں کر ہو۔

پھر خدا پرستی کا تقاضا صرف یہ نہیں ہے کہ اس کو مان لیا جائے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اپنے کو شامل کیا جائے۔ خدا پرستی اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے ایک اندرونی حالت کا نام ہے مگر اسی کے ساتھ اس کی ایک ظاہری صورت بھی ہے۔ خدا کو پانا کسی آدمی کے لئے سنگین تاثر کا سب سے بڑا واقعہ ہے اور شدت تاثر کبھی چھپا ہوا نہیں رہ سکتا۔ ایک شخص پر خدا کی سچائی منکشف ہو تو وہ ضرور ظاہر ہو کر رہے گی۔ ایسا آدمی بے اختیار چاہے گا کہ اس کا پورا ماحول اس بات کا گواہ بن جائے کہ اس نے خدا کی پکار پر لبیک کہا اور مفاد اور مصلحت کے بتوں کو توڑ کر اس کا ساتھ دیا۔ اگر کوئی شخص قلبی ایمان کا مدعی ہو مگر وہ اعلان و اظہار سے گریز کرتا ہو تو یہ یقینی طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مصلحتوں کا شکار ہے۔ اور جو لوگ خدا کے مقابلہ میں مصلحت کو ترجیح دیں وہ کبھی خدا کو نہیں پاتے۔ مصلحت اور تعصب خدا پرستی کی ضد ہیں۔ مصلحت اور تعصب کے ساتھ خدا پرستی کا ایک روح میں جمع ہونا ممکن نہیں۔

پس کھاؤ اس جانور میں سے جس پر اللہ کا نام لیا جائے، اگر تم اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہو۔ اور کیا وجہ ہے کہ تم اس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، حالانکہ خدا نے تفصیل سے بیان کر دی ہیں وہ چیزیں جن کو اس نے تم پر حرام کیا ہے۔ سوا اس کے کہ اس کے لئے تم مجبور ہو جاؤ۔ اور یقیناً بہت سے لوگ اپنی خواہشات کی بنا پر گم راہ کرتے ہیں بغیر کسی علم کے۔ بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے حد سے نکل جانے والوں کو۔ اور تم گناہ کے ظاہر کو بھی چھوڑ دو اور اس کے باطن کو بھی۔ جو لوگ گناہ کما رہے ہیں ان کو جلد بدلہ مل جائے گا اس کا جو وہ کر رہے تھے۔ اور تم اس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ یقیناً یہ بے حکمی ہے اور شیاطین القا کر رہے ہیں اپنے ساتھیوں کو تاکہ وہ تم سے جھگڑیں۔ اور اگر تم ان کا کہا مانو گے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے ۱۲۱ — ۱۱۸

دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب ہمارے لئے "مال غیر" ہے۔ کیونکہ سب کا سب خدا کا ہے۔ اس کو اپنے لئے جائز کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ اس کو خدا کے بتائے ہوئے طریقے سے حاصل کیا جائے اور اس کو خدا کے بتائے ہوئے طریقہ سے استعمال کیا جائے۔ یہی معاملہ جانوروں کا بھی ہے۔

جانور ہمارے لئے قیمتی خوراک ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کو خوراک بنانے کا حق ہم کو کیسے ملا۔ جانور کو خدا بناتا ہے اور وہی اس کو پرورش کر کے تیار کرتا ہے۔ پھر ہمارے لئے کیسے جائز ہوا کہ ہم اس کو اپنی خوراک بنائیں۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا اسی سوال کا جواب ہے۔ اللہ کا نام لینا کوئی لفظی رسم نہیں۔ یہ در اصل جانور کے اوپر خدا کی مالکانہ حیثیت کو تسلیم کرنا اور اس کے عطیہ پر خدا کا شکر ادا کرنا ہے۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا اسی اعتراف و تشکر کی ایک علامت ہے اور یہی اعتراف و تشکر وہ "قیمت" ہے جس کو ادا کرنے سے مالک کے نزدیک اس کا ایک جانور ہمارے لئے حلال ہو جاتا ہے۔ تاہم جس کو اتفاقی مجبوری پیش آجائے اس کو اس پابندی سے آزاد کر دیا گیا ہے۔

جب آدمی حرام و حلال اور جائز و ناجائز میں خدا کا حکم چھوڑتا ہے تو اس کے بعد توہمات اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔ لوگ توہماتی خیالات کی بنا پر اشیاء کے بارے میں طرح طرح کی رائیں قائم کر لیتے ہیں۔ ان توہمات کے پیچھے کچھ خود ساختہ فلسفے ہوتے ہیں اور ان کی بنیاد پر ان کے کچھ ظواہر قائم ہوتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کے فرماں بردار بننا چاہیں ان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان توہمات کو فکری اور عملی دونوں اعتبار سے مکمل طور پر چھوڑ دیں۔

کھانے پینے اور دوسرے امور میں ہر قوم کا ایک رواجی دین بن جاتا ہے۔ اس رواجی دین کے بارے میں لوگوں کے جذبات بہت شدید ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اس کے حق میں اسلاف اور بزرگوں کی تصدیقات شامل رہتی ہیں۔ اس سے ہٹنا بزرگوں کے دین سے ہٹنے کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ اس لئے جب حق کی دعوت اس رواجی دین سے ٹکراتی ہے تو حق کی دعوت کے خلاف طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ وقت کے بڑے ایسی خوش کن باتیں نکالتے ہیں جن سے وہ اپنے عوام کو مطمئن کر سکیں کہ تمہارا رواجی دین صحیح ہے اور یہ "نیا دین" بالکل باطل ہے۔ مگر اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ قیامت میں جب وہ حقیقتوں کو کھولے گا تو ہر آدمی دیکھ لے گا کہ وہ حقیقت کی زمین پر کھڑا تھا یا توہمات کی زمین پر۔

کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندگی دی اور ہم نے اس کو ایک روشنی دی کہ اس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے، اس سے نکلنے والا نہیں۔ اس طرح کافروں کی نظر میں ان کے اعمال خوش نما بنا دئے گئے ہیں۔ اور اس طرح ہر بستی میں ہم نے گنہ گاروں کے سردار رکھ دئے ہیں کہ وہ وہاں حیلے کریں۔ حالاں کہ وہ جو حیلہ کرتے ہیں اپنے ہی خلاف کرتے ہیں مگر وہ اس کو نہیں سمجھتے۔ اور جب ان کے پاس کوئی نشان آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہی نہ دیا جائے جو خدا کے پیغمبروں کو دیا گیا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو بخشے۔ جو لوگ مجرم ہیں ضرور ان کو اللہ کے یہاں ذلت نصیب ہوگی اور سخت عذاب بھی، اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے ۲۴-۱۲۲

اللہ کی نظر میں وہ شخص زندہ ہے جس کے سامنے ہدایت کی روشنی آئی اور اس نے اس کو اپنے راستہ کی روشنی بنالیا۔ اس کے مقابلہ میں مردہ وہ ہے جو ہدایت کی روشنی سے محروم ہو کر باطل کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہو۔

مردہ آدمی اوہام و تعصبات کے جال میں اتنا پھنسا ہوا ہوتا ہے کہ سیدھے اور سچے حقائق اس کے ذہن کی گرفت میں نہیں آتے۔ وہ اشیاء کی ماہیت سے اتنا بے خبر ہوتا ہے کہ لفظی بحث اور حقیقی کلام میں فرق نہیں کر پاتا۔ وہ اپنی بڑائی کے تصور میں اتنا ڈوبا ہوا ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے آئی ہوئی سچائی کا اعتراف کرنا اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ اس کے ذہن پر رواجی خیالات کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ ان سے ہٹ کر کسی اور معیار پر وہ چیزوں کو جانچ نہیں پاتا۔ اپنی ان کمزوریوں کی بنا پر وہ اندھیرے میں بھٹکتا رہتا ہے، بظاہر زندہ ہوتے ہوئے بھی وہ ایک مردہ انسان بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص ہدایت کے لئے اپنا سینہ کھول دیتا ہے وہ ہر قسم کی نفسیاتی گرہوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ سچائی کو پہچاننے میں اسے ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔ الفاظ کے پردے کبھی اس کے لئے حقیقت کا چہرہ دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بنتے۔ ذوق اور عادت کے مسائل اس کی زندگی میں کبھی یہ مقام حاصل نہیں کرتے کہ اس کے اور حق کے درمیان حائل ہو جائیں۔ سچائی اس کے لئے ایک ایسی روشن حقیقت بن جاتی ہے جس کو دیکھنے میں اس کی نظر کبھی نہ چوکے اور جس کو پانے کے لئے وہ کبھی سست ثابت نہ ہو۔ وہ خود بھی حق کی روشنی میں چلتا ہے اور دوسروں کو بھی اس میں چلانے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ لوگ جو خود ساختہ چیزوں کو خدا کا مذہب بتا کر عوام کا مرجع بنے ہوئے ہوتے ہیں وہ ہر ایسی آواز کے دشمن بن جاتے ہیں جو لوگوں کو سچے دین کی طرف پکارے۔ ایسی ہر آواز ان کو اپنے خلاف بے اعتمادی کی تحریک دکھائی دیتی ہے۔ یہ وقت کے بڑے لوگ حق کی دعوت میں ایسے شوشے نکالتے ہیں جس سے وہ عوام کو اس سے متاثر ہونے سے روک سکیں۔ وہ حق کے دلائل کو غلط رخ دے کر عوام کو شبہات میں مبتلا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بے بنیاد باتوں کے ذریعہ داعی کی ذات کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس قسم کی کوششیں صرف ان کے جرم کو بڑھاتی ہیں، وہ داعی اور دعوت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں ——— حق پرست وہ ہے جو حق کو اس وقت دیکھ لے جب کہ اس کے ساتھ دنیوی عظمتیں شامل نہ ہوئی ہوں۔ دنیوی عظمت والے حق کو ماننا دراصل دنیوی عظمتوں کو ماننا ہے نہ کہ خدا کی طرف سے آئے ہوئے حق کو۔

اللہ جس کو چاہتا ہے کہ ہدایت دے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے تو اس کے سینہ کو بالکل تنگ کر دیتا ہے، جیسے اس کو آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہو۔ اس طرح اللہ گندگی ڈال دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔ اور یہی تمھارے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے واضح کر دی ہیں نشانیاں غور کرنے والوں کے لئے۔ انھیں کے لئے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس۔ اور وہ ان کا مددگار ہے اس عمل کے سبب سے جو وہ کرتے رہے ۱۲۷ - ۱۲۵

حق اپنی ذات میں اتنا واضح ہے کہ اس کا سمجھنا کبھی کسی آدمی کے لئے مشکل نہ ہو۔ پھر بھی ہر زمانہ میں بے شمار لوگ حق کی وضاحت کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ ان کے اندر کی وہ رکاوٹیں ہیں جو وہ اپنی نفسیات میں پیدا کر لیتے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو مقدس ہستیوں سے اتنا زیادہ وابستہ کر لیتا ہے کہ ان کو چھوڑتے ہوئے اس کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ بالکل برباد ہو جائے گا۔ کسی کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنی مصلحتوں کا نظام ٹوٹنے کا اندیشہ اس کے اوپر اتنا زیادہ چھا جاتا ہے کہ اس کے لئے حق کی طرف اقدام کرنا ممکن نہیں رہتا۔ کسی کو نظر آتا ہے کہ حق کو ماننا اپنی بڑائی کے مینار کو اپنے ہاتھ سے ڈھا دینا ہے۔ کسی کو محسوس ہوتا ہے کہ ماحول کے رواج کے خلاف ایک بات کو اگر میں نے مان لیا تو میں سارے ماحول میں اجنبی بن کر رہ جاؤں گا۔ اس طرح کے خیالات آدمی کے اوپر اتنا مسلط ہو جاتے ہیں کہ حق کو ماننا اس کو ایک بے حد مشکل بلندی پر چڑھائی کے ہم معنی نظر آنے لگتا ہے جس کو دیکھ کر ہی آدمی کا دل تنگ ہونے لگتا ہو۔

اس کے برعکس معاملہ ان لوگوں کا ہے جو نفسیاتی پیچیدگیوں میں مبتلا نہیں ہوتے، جو حق کو ہر دوسری چیز سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ وہ پہلے سے سچے متلاشی بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے جب حق ان کے سامنے آتا ہے تو بلا تاخیر وہ اس کو پہچان لیتے ہیں اور تمام عذرات اور اندیشوں کو نظر انداز کر کے اس کو قبول کر لیتے ہیں۔

خدا اپنے حق کو نشانیوں (اشاراتی حقائق) کی صورت میں لوگوں کے سامنے لاتا ہے۔ اب جو لوگ اپنے دلوں میں کمزوریاں لئے ہوئے ہیں وہ ان اشارات کی خود ساختہ تاویل کر کے اپنے لئے اس کو نہ ماننے کا جواز بنا لیتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے سینے کھلے ہوتے ہیں وہ اشارات کو ان کی اصل گہرائیوں کے ساتھ پا لیتے ہیں اور ان کو اپنے ذہن کی غذا بنا لیتے ہیں۔ ان کی زندگی فی الفور اس سیدھے راستہ پر چل پڑتی ہے جو خدا کی براہ راست رہنمائی میں طے ہوتا ہے اور بالآخر آدمی کو ابدی کامیابی کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔

خدا کے یہاں جو کچھ قیمت ہے وہ عمل کی ہے نہ کہ کسی اور چیز کی۔ جو شخص عملی طور پر خدا کی فرماں برداری اختیار کرے گا وہی اس قابل ٹھہرے گا کہ خدا اس کی دست گیری کرے اور اس کو اپنے سلامتی کے گھر تک پہنچا دے۔ یہ سلامتی کا گھر خدا کی جنت ہے جہاں آدمی ہر قسم کے دکھ اور آفت سے محفوظ رہ کر ابدی سکون کی زندگی گزارے گا۔ خدا کی یہ مدد افراد کو ان کے عمل کے مطابق موت کے بعد آنے والی زندگی میں ملے گی۔ لیکن اگر افراد کی قابل لحاظ تعداد دنیا میں خدا کی فرماں بردار بن جائے تو ایسی جماعت کو دنیا میں بھی اس کا ایک حصہ دے دیا جاتا ہے۔

اور جس دن اللہ ان سب کو جمع کرے گا، اے جنّوں کے گروہ تم نے بہت سے لے لئے انسانوں میں سے۔ اور انسانوں میں سے ان کے ساتھی کہیں گے اے ہمارے رب، ہم نے ایک دوسرے کو استعمال کیا اور ہم پہنچ گئے اپنے اس وعدہ کو جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا۔ خدا کہے گا اب تمھارا ٹھکانا آگ ہے، ہمیشہ اس میں رہوگے مگر جو اللہ چاہے۔ بے شک تمھارا رب حکمت والا علم والا ہے۔ اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دیں گے گنہ گاروں کو ایک دوسرے سے، بہ سبب ان اعمال کے جو وہ کرتے تھے۔ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمھارے پاس تمھیں میں سے پیغمبر نہیں آئے جو تم کو میری آیتیں سناتے اور تم کو اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے ہم خود اپنے خلاف گواہ ہیں۔ اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا۔ اور وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک ہم منکر تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ تمھارا رب بستیوں کو ان کے ظلم پر اس حال میں ہلاک کرنے والا نہیں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں ۱۲۸-۱۳۱

کسی کے گمراہ کرنے سے جب کوئی شخص گمراہ ہوتا ہے تو یہ یک طرفہ معاملہ نہیں ہوتا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اپنا مقصد پورا کر رہے ہیں۔ شیطان جب آدمی کو سبز باغ دکھا کر اپنی طرف لے جاتا ہے تو وہ اپنے اس چیلنج کو صحیح ثابت کرنا چاہتا ہے جو اس نے آغاز تخلیق میں خدا کو دیا تھا کہ میں تیری مخلوق کے بڑے حصہ کو اپنا ہم نوا بنالوں گا (بنی اسرائیل ۶۱) دوسری طرف جو لوگ اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کرتے ہیں ان کے سامنے بھی واضح مفادات ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ جنوں کے نام پر اپنے سحر کے کاروبار کو فروغ دیتے ہیں یا اپنی شاعری اور کہانت کا رشتہ کسی جنی استاد سے جوڑ کر عوام کے اوپر اپنی برتری قائم کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ تمام تحریکیں جو شیطانی ترغیبات کے تحت اٹھتی ہیں، ان کا ساتھ دینے والے بھی اسی لئے ان کا ساتھ دیتے ہیں کہ ان کو امید ہوتی ہے کہ اس طرح عوام کے اوپر آسانی کے ساتھ وہ اپنی قیادت قائم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ خدائی پکار کے مقابلہ میں شیطانی نعرے ہمیشہ عوام کی بھیڑ کے لئے زیادہ پرکشش ثابت ہوئے ہیں۔

قیامت میں جب حقیقتوں سے پردہ اٹھایا جائے گا تو یہ بات کھل جائے گی کہ جو لوگ بے راہ ہوئے یا جنھوں نے دوسروں کو بے راہ کیا انھوں نے کسی غلط فہمی کی بنا پر ایسا نہیں کیا۔ اس کی وجہ حق کو نظر انداز کرنا تھا نہ کہ حق سے بے خبر رہنا۔ وہ دنیوی تماشوں سے اوپر نہ اٹھ سکے، وہ وقتی فائدوں کو قربان نہ کر سکے۔ ورنہ خدا نے اپنے خاص بندوں کے ذریعہ جو ہدایت کھولی تھی وہ اتنی واضح تھی کہ کوئی شخص حقیقت حال سے بے خبر نہیں رہ سکتا تھا۔ مگر ان کی دنیا پرستی ان کی آنکھوں کا پردہ بن گئی۔ جاننے کے باوجود انھوں نے نہ جانا۔ سننے کے باوجود انھوں نے نہ سنا۔

آخرت میں وہ مصنوعی سہارے ان سے چھن جائیں گے جن کے بل پر وہ حقیقت سے بے پروا بنے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کو نظر آجائے گا کہ کس طرح ایسا ہوا کہ حق ان کے سامنے آیا مگر انھوں نے جھوٹے الفاظ بول کر اس کو رد کر دیا۔ کس طرح ان کی غلطی ان پر واضح کی گئی مگر خوبصورت تاویل کر کے انھوں نے سمجھا کہ اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے میں وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔

اور ہر شخص کا درجہ ہے اس کے عمل کے لحاظ سے اور تمھارا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں۔ اور تمھارا رب بے نیاز، رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھا لے اور تمھارے بعد جس کو چاہے تمھاری جگہ لے آئے، جس طرح اس نے تم کو پیدا کیا دوسروں کی نسل سے۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ آکر رہے گی اور تم خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔ کہو، اے لوگو تم عمل کرتے رہو اپنی جگہ پر، میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ تم جلد ہی جان لوگے کہ انجام کار کس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ یقیناً ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے ۳۵ - ۱۳۲

دنیا کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اور دوسرے شخص کے مرتبہ میں فرق ہوتا ہے۔ یہ فرق ٹھیک اس تناسب سے ہوتا ہے جو ایک آدمی اور دوسرے آدمی کی جدوجہد میں پایا جاتا ہے۔ کسی آدمی کی دانش مندی، اس کی محنت، مصلحتوں کے ساتھ اس کی رعایت جس درجہ کی ہوتی ہے اسی درجہ کی کامیابی اس کو یہاں حاصل ہوتی ہے۔

ایسا ہی معاملہ آخرت کا بھی ہے۔ آخرت میں درجات اور مقامات کی تقسیم ٹھیک اسی تناسب سے ہوگی جس تناسب سے کسی آدمی نے دنیا میں اس کے لئے عمل کیا ہے۔ آخرت کے لئے بھی آدمی کو اسی طرح وقت اور مال خرچ کرنا ہے جس طرح وہ دنیا کے لئے اپنے وقت اور مال کو خرچ کرتا ہے۔ آخرت کے معاملہ میں بھی اس کو اسی طرح ہوشیاری دکھانی ہے جس طرح وہ دنیا کے معاملہ میں ہوشیاری دکھاتا ہے۔ آخرت کی باتوں میں بھی اس کو مصلحتوں اور نزاکتوں کی اسی طرح رعایت کرنا ہے جس طرح وہ دنیا کی باتوں میں مصلحتوں اور نزاکتوں کی رعایت کرتا ہے۔ جس خدا کے ہاتھ میں آخرت کا فیصلہ ہے وہ ایک ایک شخص کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہ ہوگا کہ وہ ہر ایک کو وہی دے جو اس کے استحقاق کے بقدر اس کو ملنا چاہئے۔

خدا نے امتحان اور عمل کی یہ جو دنیا بنائی ہے اس کے ذریعہ اس نے انسان کے لئے ایک قیمتی امکان کھولا ہے۔ وہ چند دن کی زندگی میں اچھے عمل کا ثبوت دے کر ابدی زندگی میں اس کا انجام پا سکتا ہے۔ اس نظام کو قائم کرنے سے خدا کا اپنا کوئی فائدہ نہیں۔ موجودہ لوگ اگر اس کے تخلیقی منصوبہ کو قبول نہ کریں تو خدا کو اس کی پروا نہیں۔ وہ ان کی جگہ دوسروں کو اٹھا سکتا ہے جو اس کے تخلیقی منصوبہ کو مانیں اور اپنے آپ کو اس کے ساتھ شامل کریں۔ حتیٰ کہ وہ ریگستان کے ذروں اور درخت کے پتوں کو اپنے وفادار بندوں کی حیثیت سے کھڑا کر سکتا ہے۔

ایک ایسی دنیا جو سراسر حق اور انصاف پر قائم ہو وہاں ظالموں اور سرکشوں کو چھوٹ ملنا خود ہی بتا رہا ہے کہ یہ چھوٹ کوئی انعام نہیں ہے بلکہ ان کو ان کے آخری انجام تک پہنچانے کے لئے ہے۔ جو شخص حق کو ماننے سے انکار کرتا ہے اور اس کے باوجود بظاہر اس کا کچھ نہیں بگڑتا اس کو اس صورت حال پر خوش نہیں ہونا چاہئے۔ یہ حالت سراسر وقتی ہے۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب کہ آدمی سے وہ سب کچھ چھین لیا جائے جس کے بل پر وہ سرکشی کر رہا ہے اور اس کو ہمیشہ کے لئے ایک ایسی بربادی میں ڈال دیا جائے جہاں سے کبھی اسے نکلنا نہ ہو۔ جہاں نہ دوبارہ عمل کا موقع ہو اور نہ اپنے عمل کے انجام سے اپنے کو بچانے کا۔

اور خدا نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کئے اس میں سے انھوں نے خدا کا کچھ حصہ مقرر کیا ہے۔ پس وہ کہتے ہیں کہ یہ حصہ اللہ کا ہے، ان کے گمان کے مطابق، اور یہ حصہ ہمارے شریکوں کا ہے۔ پھر جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لئے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیسا برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور اس طرح بہت سے مشرکوں کی نظر میں ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوش نما بنا دیا ہے تاکہ ان کو برباد کریں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ پس ان کو چھوڑ دو کہ اپنی افترا میں لگے رہیں ۱۳۶ ـ ۳۷

مشرکین میں یہ رواج تھا کہ وہ فصل اور مویشی میں سے اللہ کا اور بتوں کا حصہ نکالتے۔ اگر وہ دیکھتے کہ خدا کے حصہ کا جانور یا غلہ اچھا ہے تو اس کو بدل کر بتوں کی طرف کر دیتے۔ مگر بتوں کا اچھا ہوتا تو اس کو خدا کی طرف نہ کرتے۔ پیداوار کی تقسیم کے وقت بتوں کے نام کا کچھ حصہ اتفاقاً اللہ کے حصہ میں مل جاتا تو اس کو الگ کر کے بتوں کی طرف لوٹا دیتے۔ اور اللہ کے نام کا کچھ حصہ بتوں کی طرف چلا جاتا تو اس کو نہ لوٹاتے۔ اسی طرح اگر کبھی نذر و نیاز کا غلہ خود استعمال کرنے کی ضرورت پیش آجاتی تو خدا کا حصہ لے لیتے مگر بتوں کے حصہ کو نہ چھوتے۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی بلا نازل ہو جائے۔ کہنے کے لئے وہ خدا کو مانتے تھے مگر ان کا اصل یقین اپنے بتوں کے اوپر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی محسوس بتوں کو اسی لئے گھڑتا ہے کہ اس کو غیر محسوس خدا پر پورا بھروسہ نہیں ہوتا۔

یہی حال ہر اس شخص کا ہوتا ہے جو زبان سے تو اللہ کو مانتا ہو مگر اس کا دل اللہ کے سوا کہیں اور اٹکا ہوا ہو۔ جو لوگ کسی زندہ یا مُردہ ہستی کو اپنی عقیدتوں کا مرکز بنا لیں ان کا حال بھی یہی ہوتا ہے کہ جو وقت ان کے یہاں خدا کی یاد کا ہے اس میں تو وہ اپنے "شریک" کی یاد کو شامل کر لیتے ہیں۔ مگر جو وقت ان کے نزدیک اپنے شریک کی یاد کا ہے اس میں خدا کا تذکرہ انھیں گوارا نہیں ہوتا۔ شیفتگی اور وارفتگی کا جو حصہ خدا کے لئے ہونا چاہئے اس کا کوئی جزء وہ بآسانی اپنے شریکوں کو دے دیں گے۔ مگر اپنے شریک کے لئے وہ جس شیفتگی اور وارفتگی کو ضروری سمجھتے ہیں اس کا کوئی حصہ کبھی خدا کو نہیں پہنچے گا۔ جو مجلس خدا کی عظمت و کبریائی بیان کرنے کے لئے منعقد کی جائے اس میں ان کے شریکوں کی عظمت و کبریائی کا بیان تو کسی نہ کسی طرح داخل ہو جائے گا۔ مگر جو مجلس اپنے شریکوں کی عظمت و کبریائی کا چرچا کرنے کے لئے ہو وہاں خدا کی عظمت و کبریائی کا کوئی گزر نہ ہوگا۔

ان شریکوں کی اہمیت کبھی ذہن پر اتنا زیادہ غالب آتی ہے کہ آدمی اپنی اولاد تک کو اس کے لئے نثار کر دیتا ہے۔ اپنی اولاد کو خدا کے لئے پیش کرنا ہو تو وہ پیش نہیں کرے گا مگر اپنے شریکوں کی خدمت میں انھیں دینا ہو تو وہ بخوشی اس کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔

اس قسم کی تمام چیزیں خدا کے دین کے نام پر کی جاتی ہیں مگر حقیقتہً وہ افترا ہیں۔ کیوں کہ یہ ایک ایسی چیز کو خدا کی طرف منسوب کرنا ہے جس کو خدا نے کبھی تعلیم نہیں کیا

اور کہتے ہیں کہ یہ جانور اور یہ کھیتی ممنوع ہے، انھیں کوئی نہیں کھا سکتا سوا اس کے جس کو ہم چاہیں، اپنے گمان کے مطابق۔ اور فلاں چوپائے ہیں کہ ان کی پیٹھ حرام کر دی گئی ہے اور کچھ چوپائے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ سب انھوں نے اللہ پر افترا کیا ہے۔ اللہ جلد ان کو اس افترا کا بدلہ دے گا۔ اور کہتے ہیں کہ جو فلاں قسم کے جانوروں کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور وہ ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے۔ اگر وہ مُردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں۔ اللہ جلد ان کو اس کہنے کی سزا دے گا۔ بے شک اللہ حکمت والا علم والا ہے۔ وہ لوگ گھاٹے میں پڑ گئے جنھوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا نادانی سے بغیر کسی علم کے۔ اور انھوں نے اس رزق کو حرام کر لیا جو اللہ نے ان کو دیا تھا، اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے۔ وہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت پانے والے نہ بنے ۱۴۰-۱۳۸

قدیم عرب کے لوگ اپنے مذہب کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی طرف منسوب کرتے تھے۔ مگر عملاً ان کے یہاں جو مذہب تھا وہ ایک خود ساختہ مذہب تھا جو ان کے پیشواؤں نے گھڑ کر ان کے درمیان رائج کر دیا تھا۔ پیداوار اور چوپایوں کی جو نذریں خدا یا اس کے شریکوں کے نام پر پیش ہوتیں ان کے لئے ان کے یہاں بہت سی کڑی پابندیاں تھیں۔ مثلاً بحیرہ یا سائبہ (جانوروں) کو اگر ذبح کیا اور اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلا تو اس کا گوشت صرف مرد کھائیں، عورتیں نہ کھائیں۔ اور اگر بچہ مردہ حالت میں ہو تو اس کو مرد عورت دونوں کھا سکتے ہیں۔ اسی طرح بعض جانوروں کی پیٹھ پر سوار ہونا یا ان کے اوپر بوجھ لادنا ان کے نزدیک حرام تھا۔ بعض جانوروں کی نسبت ان کا عقیدہ تھا کہ ان پر سوار ہوتے وقت یا ان کو ذبح کرتے وقت یا ان کا دودھ نکالتے وقت خدا کا نام نہیں لینا چاہیے۔

ایسے لوگ دین کے اصل تقاضے (اللہ سے تعلق اور آخرت کی فکر) سے انتہائی حد تک دور ہوتے ہیں۔ وہ روزانہ اللہ کے حدود کو توڑتے رہتے ہیں۔ البتہ کچھ غیر متعلق ظاہری چیزوں میں تشدد کی حد تک قواعد و ضوابط کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ شیطان کی نہایت گہری چال ہے۔ وہ لوگوں کو اصل دین سے دور کر کے کچھ دوسری چیزوں کو دین کے نام پر ان کے درمیان جاری کر دیتا ہے اور ان میں شدت کی نفسیات پیدا کر کے آدمی کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے کہ وہ کمال احتیاط کی حد تک خدا کے دین پر قائم ہے۔ عبادت کے ظواہر میں تشدد بھی اسی خاص نفسیات کی پیداوار ہے۔ آدمی خشوع اور تضرع سے خالی ہوتا ہے اور بعض ظاہری آداب کا شدید التزام کر کے سمجھتا ہے کہ اس نے کمال ادائگی کی حد تک عبادت کا فعل انجام دے دیا ہے۔

اس قسم کے لوگوں کی گمراہی اس سے واضح ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے قتل اولاد جیسے وحشیانہ فعل کو درست سمجھ لیا۔ وہ خدا کے پاکیزہ رزق سے لوگوں کو محروم کر دیتے ہیں۔ وہ معمولی مسائل پر لڑتے ہیں اور ان بڑی چیزوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن کی اہمیت کو عقل عام کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔

اور وہ اللہ ہی ہے جس نے باغ پیدا کئے، کچھ ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ نہیں چڑھائے جاتے۔ اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ اس کے کھانے کی چیزیں مختلف ہوتی ہیں اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے بھی اور ایک دوسرے سے مختلف بھی۔ کھاؤ ان کی پیداوار جب کہ وہ پھلیں اور اللہ کا حق ادا کرو اس کے کاٹنے کے دن۔ اور اسراف نہ کرو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اس نے مویشیوں میں بوجھ اٹھانے والے پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے بھی۔ کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تمھیں دی ہیں۔ اور شیطان کی پیروی نہ کرو، وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے ۱۴۱-۱۴۲

خدا نے انسان کے لئے طرح طرح کی غذائیں پیدا کی ہیں۔ کچھ چیزیں وہ ہیں جو زمین میں پھیلتی ہیں۔ مثلاً خربوزے، سبزیاں وغیرہ۔ کچھ چیزیں وہ ہیں جو ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ مثلاً انگور وغیرہ۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اپنے تنہ پر کھڑی رہتی ہیں۔ مثلاً کھجور، آم وغیرہ۔ اسی طرح آدمی کی ضرورت کے لئے مختلف قسم کے چھوٹے بڑے جانور پیدا کئے۔ مثلاً اونٹ گھوڑے اور بھیڑ بکریاں۔

آدمی ایک علیحدہ مخلوق ہے اور بقیہ چیزیں علیحدہ مخلوق۔ دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ پیدا ہوئے ہیں۔ مگر انسان دیکھتا ہے کہ دونوں میں زبردست ہم آہنگی ہے۔ آدمی کے جسم کو اگر غذائیت درکار ہے تو اس کے باہر ہرے بھرے درختوں میں حیرت انگیز قسم کے غذائی پیکٹ لٹک رہے ہیں۔ اگر اس کی زبان میں مزہ کا احساس پایا جاتا ہے تو پھلوں کے اندر اس کی تسکین کا اعلیٰ سامان موجود ہے۔ اگر اس کی آنکھوں میں حسن نظر کا ذوق ہے تو قدرت کا پورا کارخانہ حسن اور دل کشی کا مرقع بنا ہوا ہے۔ اگر اس کو سواری اور بار برداری کے ذرائع درکار ہیں تو یہاں ایسے جانور موجود ہیں جو اس کے لئے نقل وحمل کا ذریعہ بھی بنیں اور اسی کے ساتھ اس کے لئے قیمتی غذا بھی فراہم کریں۔ اس طرح کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ توحید کا اعلان بن گئی ہے۔ کیونکہ کائنات کے مختلف مظاہر میں یہ وحدت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کا خالق و مالک ایک ہو۔

آدمی جب دیکھتا ہے کہ اتنا عظیم کائناتی اہتمام اس کے کسی ذاتی استحقاق کے بغیر ہو رہا ہے تو اس یک طرفہ انعام پر اس کا دل شکر کے جذبہ سے بھر جاتا ہے۔ پھر اسی کے ساتھ یہ سارا معاملہ آدمی کے لئے تقویٰ کی غذا بن جاتا ہے۔ انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ ہر عنایت (Privilege) کے ساتھ ذمہ داری (Responsibility) ہو۔ یہ چیز آدمی کو جزا و سزا کی یاد دلاتی ہے اور اس کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ دنیا میں اس احساس کے ساتھ رہے کہ ایک دن اس کو خدا کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ یہ احساسات اگر حقیقی طور پر آدمی کے اندر جاگ اٹھیں تو لازمی طور پر اس کے اندر دو باتیں پیدا ہوں گی۔ ایک یہ کہ اس کو جو کچھ ملے گا اس میں وہ اپنے مالک کا حق بھی سمجھے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ صرف واقعی ضرورت کے بقدر خرچ کرے گا نہ کہ فضول اور بے موقع خرچ کرنے لگے۔ مگر شیطان یہ کرتا ہے کہ اصل رخ سے آدمی کا ذہن موڑ کر اس کو دوسری غیر متعلق باتوں میں الجھا دیتا ہے۔

اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے۔ دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے۔ پوچھو کہ دونوں نر اللہ نے حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ۔ یا وہ بچے جو بھیڑوں اور بکریوں کے پیٹ میں ہوں۔ مجھے دلیل کے ساتھ بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ اور اسی طرح دو اونٹ کی قسم سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے۔ پوچھو کہ دونوں نر اللہ نے حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ۔ یا وہ بچے جو اونٹنی اور گائے کے پیٹ میں ہوں۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا۔ پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے تاکہ وہ لوگوں کو بہکا دے بغیر علم کے۔ بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔ کہو، مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز نہیں پاتا جو حرام ہو کسی کھانے والے پر سوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے۔ یا ناجائز ذبیحہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ لیکن جو شخص بھوک سے بے اختیار ہو جائے، نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی کرے، تو تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے ۱۴۳-۱۴۵

عربوں میں گوشت اور دودھ وغیرہ کے لئے جو جانور پالے جاتے تھے ان میں سے چار زیادہ معروف تھے۔ بھیڑ بکری اور اونٹ گائے۔ ان کے بارے میں انھوں نے طرح طرح کے تحریمی قاعدے بنا لئے تھے۔ مگر ان تحریمی قاعدوں کے پیچھے اپنے مشرکانہ رواجوں کے سوا کوئی دلیل ان کے پاس نہ تھی۔ بھیڑ اور بکری اور اونٹ اور گائے، خواہ نر ہوں یا مادہ، عقلی طور پر کوئی سبب حرمت ان کے اندر موجود نہیں ہے، ان کا تمام کا تمام گوشت انسان کی بہترین غذا ہے۔ ان میں کوئی ایسی ناپاک عادت بھی نہیں جو ان کے بارے میں انسانی طبیعت میں کراہت پیدا کرتی ہو۔ آسمان سے اترے ہوئے علم میں بھی ان کی حرمت کا ذکر نہیں۔

پھر کیوں ایسا ہوتا ہے کہ ان حیوانات کے بارے میں لوگوں کے اندر طرح طرح کے تحریمی قاعدے بن جاتے ہیں۔ اس کی وجہ شیطانی ترغیبات ہیں۔ انسان کے اندر فطری طور پر خدا کا شعور اور حرام و حلال کا احساس موجود ہے۔ آدمی اپنے اندرونی تقاضے کے تحت کسی ہستی کو اپنا خدا بنانا چاہتا ہے اور چیزوں میں جائز ناجائز کا فرق کرنا چاہتا ہے۔ شیطان اس حقیقت کو خوب جانتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ انسان کو اگر سادہ حالات میں عمل کرنے کا موقع ملا تو وہ فطرت کے صحیح راستہ کو پکڑے گا۔ اس لئے وہ فطرتِ انسانی کو کند کرنے کے لئے طرح طرح کے غلط رواج قائم کرتا ہے۔ وہ خدا کے نام پر کچھ فرضی خدا گھڑتا ہے۔ وہ حرام و حلال کے نام پر کچھ بے بنیاد محرمات وضع کرتا ہے۔ اس طرح شیطان یہ کوشش کرتا ہے کہ آدمی انھیں فرضی چیزوں میں الجھ کر رہ جائے اور اصلی سچائی تک نہ پہنچے۔ وہ سیدھے راستہ سے بھٹک چکا ہو۔ مگر بظاہر اپنے کو چلتا ہوا دیکھ کر یہ سمجھے کہ میں "راستہ" پر ہوں۔ حالاں کہ وہ ایک ٹیڑھی لکیر ہو نہ کہ سیدھا سچا راستہ۔

جو لوگ اس طرح شیطانی بہکاوے کا شکار ہوں وہ خدا کی نظر میں ظالم ہیں۔ ان کو خدا نے سمجھ دی تھی جس سے وہ حق و باطل میں تمیز کر سکتے تھے۔ مگر ان کے تعصبات ان کے لئے پردہ بن گئے۔ سمجھنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود سمجھنے سے دور رہے۔

اور یہود پر ہم نے سارے ناخن والے جانور حرام کئے تھے اور گائے اور بکری کی چربی حرام کی سوا اس کے جو ان کی پیٹھ یا انتڑیوں سے لگی ہو یا کسی ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔ یہ سزا دی تھی ہم نے ان کو ان کی سرکشی پر اور یقیناً ہم سچے ہیں۔ پس اگر وہ تم کو جھٹلائیں تو کہہ دو کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے ٹل نہیں سکتا

۱۴۶ — ۴۷

شریعت خداوندی میں اصل محرّمات ہمیشہ وہی رہے ہیں جو اوپر کی آیت میں بیان ہوئے۔ یعنی مردار، بہایا ہوا خون، سور کا گوشت اور وہ جانور جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اس کے سوا اگر کچھ چیزیں حرام ہیں تو وہ انھیں کی تشریح و تفصیل ہیں

مگر اسی کے ساتھ اللہ کی ایک سنتِ تحریم اور ہے۔ وہ یہ کہ جب کوئی حامل کتاب قوم اطاعت کے بجائے سرکشی کا طریقہ اختیار کرتی ہے تو اس کی سرکشی کی سزا کے طور پر اس کو نئی نئی مشکلات میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس پر ایسی چیزیں حرام کر دی جاتی ہیں جو اصلاً شریعت خداوندی میں حرام نہ تھیں۔

اس حرمت کی شکل کیا ہوتی ہے۔ اس کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے اندر ایسے پیشوا اٹھتے ہیں جو دین کی حقیقت سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ وہ صرف ظاہری دین داری سے واقف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جو اہتمام دین کی معنوی حقیقتوں میں کرنا چاہیے وہی اہتمام وہ ظاہری آداب و قواعد میں کرنے لگتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ظواہر دین میں غیر ضروری موشگافیاں وجود میں آتی ہیں۔ ایسے لوگ دین کے خود ساختہ ظاہری معیار وضع کرتے ہیں۔ وہ غلو اور تشدد کر کے سادہ حکم کو پیچیدہ اور جائز چیز کو ناجائز بنا دیتے ہیں۔

مثلاً یہود کے اندر جب سرکشی آئی تو ان کے درمیان ایسے علماء اٹھے جنھوں نے اپنی موشگافیوں سے یہ قاعدہ بنایا کہ کسی چوپایہ کے حلال ہونے کے لئے دو شرطیں بیک وقت ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے پاؤں چیرے ہوئے ہوں، دوسرے یہ کہ وہ جگالی کرتا ہو۔ ان میں سے کوئی ایک شرط بھی اگر نہ پائی جائے تو وہ جانور حرام سمجھا جائے گا۔ اس خود ساختہ شرط کی وجہ سے اونٹ، سافان اور خرگوش جیسی چیزیں بھی خواہ مخواہ حرام قرار پا گئیں۔ اسی طرح "ناخن" کی تشریح میں غلو کر کے انھوں نے غیر ضروری طور پر شترمرغ، قاز اور بط وغیرہ کو اپنے لئے حرام کر لیا۔ اس قسم کی غیر فطری بندشوں نے ان کے لئے وہاں تنگی پیدا کر دی جہاں خدا نے ان کے لئے فراخی رکھی تھی۔

حق کو نہ ماننے کے بعد آدمی فوراً خدا کی پکڑ میں نہیں آتا۔ وہ بدستور اپنے کو آزاد اور بھرپور پاتا ہے۔ اس بنا پر اکثر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ حق کو نہ ماننے سے اس کا کچھ بگڑنے والا نہیں۔ وہ بھول جاتا ہے کہ وہ محض خدا کی رحمت کی سمائی سے بچا ہوا ہے۔ خدا آدمی کی سرکشی کے باوجود اس کو آخری حد تک موقع دیتا ہے۔ بالآخر جب وہ اپنی روش کو نہیں بدلتا تو اچانک خدا کا عذاب اس کو اپنی پکڑ میں لے لیتا ہے۔ کبھی دنیا میں اور کبھی دنیا اور آخرت دونوں میں۔

جنھوں نے شرک کیا وہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کر لیتے۔ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے بھی جو ان سے قبل ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ کہو کیا تمھارے پاس کوئی علم ہے جس کو تم ہمارے سامنے پیش کرو۔ تم تو صرف گمان کی پیروی کر رہے ہو اور محض اٹکل سے کام لیتے ہو۔ کہو کہ پوری حجت تو اللہ کی ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ کہو کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس پر گواہی دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام ٹھیرایا ہے۔ اگر وہ جھوٹی گواہی دے بھی دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا، اور تم ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہراتے ہیں ۱۵۰ - ۱۴۸

حق کی بے آمیز دعوت ہمیشہ اپنے ماحول میں اجنبی دعوت ہوتی ہے۔ ایک طرف مروجہ دین ہوتا ہے جس کو تمام اجتماعی اداروں میں غلبہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ صدیوں کی روایات اس کو باوزن بنانے کے لئے اس کی پشت پر موجود ہوتی ہیں۔ دوسری طرف حق کی دعوت ہوتی ہے جو ان تمام اضافی خصوصیات سے خالی ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں لوگوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ جس دین کو اتنا درجہ اور اتنی مقبولیت حاصل ہو وہ دین خدا کی پسند کے مطابق نہ ہوگا۔ لوگ فرض کر لیتے ہیں کہ مروجہ دین کا اتنا پھیلاؤ اسی لئے ممکن ہو سکا کہ خدا کی مرضی اس کے شامل حال تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کو یہ پھیلاؤ کبھی حاصل نہ ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ جس دین کو خدا کی دنیا میں ہر طرف بلند مقام حاصل ہو وہ خدا کا پسندیدہ دین ہوگا یا وہ دین جس کو خدا کی دنیا میں کہیں کوئی مقام حاصل نہیں۔

مگر حق و باطل کا فیصلہ حقیقی دلائل پر ہوتا ہے نہ کہ اس قسم کے قیاسات پر۔ خدا نے اس دنیا کو امتحان گاہ بنایا ہے۔ یہاں آدمی کو یہ موقع ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے اختیار کرے اور جس چیز کو چاہے اختیار نہ کرے۔ یہ معاملہ تمام تر آدمی کے اپنے اوپر منحصر ہے۔ ایسی حالت میں کسی چیز کا رواج عام اس کے برحق ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کوئی چیز برحق ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ دلائل کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ رواجی عمل کی بنیاد پر۔

دنیا کو اللہ نے امتحان گاہ بنایا۔ انسان پر اپنی مرضی جبراً مسلط کرنے کے بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ انسان کو صحیح اور غلط کا علم دیا اور یہ معاملہ انسان کے اوپر چھوڑ دیا کہ وہ صحیح کو لیتا ہے یا غلط کو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں دلیل (حجت) خدا کی نمائندہ ہے۔ آدمی جب ایک سچی دلیل کے آگے جھکتا ہے تو وہ خدا کے آگے جھکتا ہے۔ اور جب وہ ایک سچی دلیل کو ماننے سے انکار کرتا ہے تو وہ خدا کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔

جب آدمی دلیل کے آگے نہیں جھکتا تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش سے اوپر اٹھ نہیں پاتا۔ وہ باطل کو حق کہنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ اپنے عمل کو جائز ثابت کر سکے۔ اس کی ڈھٹائی اس کو یہاں تک لے جاتی ہے کہ وہ خدا کی نشانیوں کو نظر انداز کر دے۔ وہ اس بات سے بے پروا ہو جاتا ہے کہ خدا اس کو بالآخر پکڑنے والا ہے۔ وہ دوسری دوسری چیزوں کو وہ اہمیت دے دیتا ہے جو اہمیت صرف خدا کو دینا چاہیے۔

کہو، آؤ میں سناؤں وہ چیزیں جو تمھارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور بے حیائی کے کام کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ اور جس جان کو اللہ نے حرام ٹھہرایا اس کو نہ مارو مگر حق پر۔ یہ باتیں ہیں جن کی خدا نے تمھیں ہدایت فرمائی ہے تاکہ تم عقل سے کام لو ۱۵۲

خدائی پابندی کے نام پر لوگ طرح طرح کی رسمی اور ظاہری پابندیاں بنا لیتے ہیں اور ان کا خصوصی اہتمام کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انھوں نے خدائی پابندیوں کا حق ادا کر دیا۔ مگر خدا انسان سے جن پابندیوں کا اہتمام چاہتا ہے وہ حقیقی پابندیاں ہیں نہ کہ کسی قسم کے رسمی مظاہر۔

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ آدمی ایک خدا کو اپنا خدا بنائے۔ اس کے سوا کسی کی بڑائی کا غلبہ اس کے ذہن پر نہ ہو۔ اس کے سوا کسی کو وہ قابل بھروسہ نہ سمجھتا ہو۔ اس کے سوا کسی سے وہ امیدیں قائم نہ کرے۔ اس کے سوا کسی سے وہ نہ ڈرے اور نہ اس کے سوا کسی کی شدید محبت میں مبتلا ہو۔

والدین اکثر حالات میں کمزور اور محتاج ہوتے ہیں اور اولاد طاقت ور۔ ان سے حسن سلوک کا محرک مفاد نہیں ہوتا بلکہ صرف حق شناسی ہوتا ہے۔ اس طرح والدین کے حقوق ادا کرنے کا معاملہ آدمی کے لئے اس بات کا سب سے پہلا امتحان بن جاتا ہے کہ اس نے خدا کے دین کو قول کی سطح پر اختیار کیا ہے یا عمل کی سطح پر۔ اگر وہ والدین کی کمزوری کے بجائے ان کے حق کو اہمیت دے، اگر اپنے دوستوں اور اپنے بیوی بچوں کی محبت اس کو والدین سے دور نہ کرے تو گویا اس نے اس بات کا پہلا ثبوت دے دیا کہ اس کا اخلاق اصول پسندی اور حق شناسی کے تابع ہوگا نہ کہ مفاد اور مصلحت کے تابع۔

انسان اپنے حرص اور ظلم کی وجہ سے خدا کے پیدا کئے ہوئے رزق کو تمام بندوں تک منصفانہ طور پر پہنچنے نہیں دیتا۔ اور جب اس کی وجہ سے قلت کے مصنوعی مسائل پیدا ہوتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ کھانے والوں کو قتل کر دو یا پیدا ہونے والوں کو پیدا نہ ہونے دو۔ اس قسم کی باتیں خدا کے نظام رزق پر بہتان کے ہم معنی ہیں

بہت سی برائیاں ایسی ہیں جو اپنی ہیئت میں اتنی فحش ہوتی ہیں کہ ان کی برائی کو جاننے کے لئے کسی بڑے علم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انسانی فطرت اور اس کا ضمیر ہی یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ یہ کام انسان کے کرنے کے قابل نہیں۔ ایسی حالت میں جو شخص کسی فحاشی یا بے حیائی کے کام میں مبتلا ہو وہ گویا ثابت کر رہا ہے کہ وہ اس ابتدائی درجۂ انسانیت سے بھی محروم ہے جہاں سے کسی انسان کے انسان ہونے کا آغاز ہوتا ہے

ہر انسان کی جان محترم ہے۔ کسی انسان کو ہلاک کرنا کسی کے لئے جائز نہیں جب تک خالق کے قانون کے مطابق وہ کوئی ایسا جرم نہ کرے جس میں اس کی جان لینا مخصوص شرائط کے ساتھ مباح ہو گیا ہو ——— یہ باتیں اتنی واضح ہیں کہ عقل سے کام لینے والا ان کی صداقت کو جاننے سے محروم نہیں رہ سکتا۔

فارم IV

دیکھو رول نمبر ۸

ماہنامہ الرسالہ - جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ - دہلی ۶

۱- مقام اشاعت جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۲- وقفہ اشاعت ماہانہ

۳- نام پرنٹر (طابع) ثانی اثنین خاں

قومیت ہندوستانی

پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۴- نام پبلشر (ناشر) ثانی اثنین خاں

قومیت ہندوستانی

پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۵- نام ایڈیٹر (مدیر مسئول) ثانی اثنین خاں

قومیت ہندوستانی

پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ - دہلی ۶

۶- نام اور پتہ مالک رسالہ ثانی اثنین خاں

جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

میں ثانی اثنین خاں تصدیق کرتا ہوں کہ جو تفصیلات اوپر دی گئی ہیں، میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں۔

ثانی اثنین خاں

یکم مارچ ۱۹۸۱ء

ملّی تعمیر کا کام

سب سے پہلے

ملت کے افراد میں

شعور پیدا کرنے کا کام ہے

اس کی

بہترین صورت یہ ہے کہ

الرسالہ کو

ایک ایک بستی اور

ایک ایک گھر میں

پہنچایا جائے۔

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیار اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہوجاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

۱۔	الاسلام		از مولانا وحیدالدین خاں		۱۵—۰۰
۲۔	مذہب اور جدید چیلنج	..	〃	..	۱۵—۰۰
۳۔	ظہور اسلام	..	〃	..	۱۵—۰۰
۴۔	دین کیا ہے	..	〃	..	۲—۰۰
۵۔	قرآن کا مطلوب انسان	..	〃	..	۵—۰۰
۶۔	تجدید دین	..	〃	..	۳—۰۰
۷۔	اسلام دین فطرت	..	〃	..	۳—۰۰
۸۔	تعمیر ملت	..	〃	..	۲—۰۰
۹۔	تاریخ کا سبق	..	〃	..	۳—۰۰
۱۰۔	مذہب اور سائنس	..	〃	..	۵—۰۰
۱۱۔	عقلیات اسلام	..	〃	..	۳—۰۰
۱۲۔	فسادات کا مسئلہ	..	〃	..	۲—۰۰
۱۳۔	انسان اپنے کو پہچان	..	〃	..	۱—۰۰
۱۴۔	تعارف اسلام	..	〃	..	۲—۵۰
۱۵۔	اسلام پندرھویں صدی میں	..	〃	..	۲—۰۰
۱۶۔	راہیں بند نہیں	..	〃	..	۳—۰۰
۱۷۔	دینی تعلیم	..	〃	..	۳—۰۰
۱۸۔	ایمانی طاقت	..	〃	..	(زیر طبع)
۱۹۔	اتحاد ملت	..	〃	..	
۲۰۔	سبق آموز واقعات	..	〃	..	
۲۱۔	اسلامی تاریخ سے	..	〃	..	
۲۲۔	قال اللہ	..	〃	..	
۲۳۔	قال الرسول	..	〃	..	
۲۴۔	زلزلۂ قیامت	..	〃	..	۴—۰۰
۲۵۔	سچا راستہ	..	〃	..	۱—۰۰

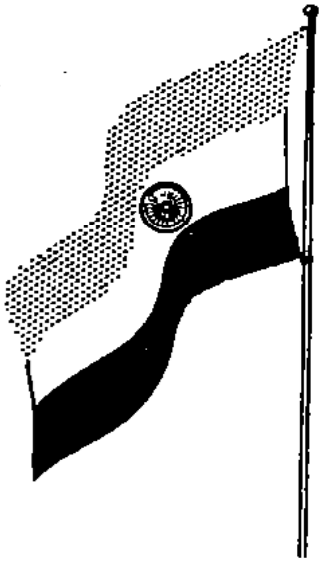

یوم جمہوریہ پر دِلی مبارکباد

26 جنوری 1950ء کو بھارت کے لوگوں نے ایک خود مختار سوشلسٹ سیکولر جمہوری ریپبلک کی بنیاد رکھی تھی۔
گذشتہ 31 برسوں میں ہم نے بہت سے کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔

- ہم نے جمہوریت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا ہے۔
- عرصے سے چلی آرہی خوراک کی کمی پر قابو پایا ہے۔
- ہم سرکردہ زیادہ صنعت یافتہ ملکوں میں گنے جاتے ہیں۔
- ہم سائنس اور ٹکنالوجی میں صف اوّل کے ممالک میں شامل ہو گئے ہیں۔
- ہم نے تین بیرونی حملوں کا منہ موڑا ہے۔ اور
- بین الاقوامی اجتماعوں میں ہماری آواز معنی رکھتی ہے۔

مگر سب کے لئے سماجی انصاف اور عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کی خاطر ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

یہ صرف قومی اتحاد کے مضبوط رشتے سے ہی کیا جا سکتا ہے۔

ترقی اور تحفظ کی خاطر قومی یکجہتی کو پکا کیجئے اور سیکولر جماعتوں کو مضبوط بنائیے۔

davp 80/524

REGD. NO. D. (DN) 532
REGD. R. N. NO. 28822/76

MARCH 1981
ISSUE NO. 52

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET DELHI-110006 (INDIA) PHONE 232231